دلِ زندہ کی صدا

کنیز نبوی

کنیز نبوی

دلِ زندہ کی صدا

اپنا پہلو ٹٹولا تو ایسا لگا
دل جہاں تھا وہاں درد ہی درد ہے
فیض کی نظم کے ان مصرعوں کے ساتھ ہی اسے حضرت علیؓ کا قول یاد آیا تھا۔
"میں نے رب کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا۔"
محبت اختیار کا جذبہ نہیں ہے یہ جب ودیعت ہوتا ہے تو آپ کو بے بس کر دیتا ہے۔ اس وقت بندہ ایسے ہی بے اختیار ہو جاتا ہے جیسے تقدیر کے آگے۔
اس کے آنسو اس کے پلو میں جذب ہو گئے۔

ناولٹ

"شاید یہی میرا مقدر ہے۔" اس نے یہ سوچ کر دل کو سنبھالنے کی اک ناکام سی کوشش کی تھی۔
دور کہیں عابدہ پروین غزل سرا تھی اور حیدر آباد کی ہوائیں اس کی آواز کو اس کی سماعت تک پہنچا رہی تھیں۔

درد دل بھی غم دوراں کے برابر سے اٹھا
آگ صحرا میں لگی اور دھواں گھر سے اٹھا
کسی موسم کی فقیروں کو ضرورت نہ رہی
آگ بھی ابر بھی طوفان بھی ساگر سے اٹھا

✼ ✼ ✼

"مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے۔" اس اچانک انکشاف نے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔
"نہیں نہیں۔" میں نے جلدی سے تردید کی حالانکہ میرا دل احتجاج کر رہا تھا۔ مگر میں نے اس احتجاج کو سختی سے دبا دیا۔
میں بھلا زندگی کو عقل سے گزارنے والا بندہ محبت کے چنگل میں کیسے پھنس سکتا ہوں؟۔
مجھے تو ترقی کرنا ہے۔ معاشرے میں اک مقام حاصل کرنا ہے۔ میں بھلا کیسے محبت کر سکتا ہوں۔
وہ میری کزن تھی۔ میں اسے بچپن سے جانتا تھا۔ اور وہ مجھے بحیثیت کزن شروع سے ہی اچھی لگتی تھی۔ اس لیے کہ وہ محبوب چچا کی بیٹی تھی۔ اور محبوب چچا صرف نام کے ہی محبوب نہیں تھے۔ درحقیقت ہم سب لوگوں کے محبوب تھے۔ اپنے اخلاق محبت و مروت کی وجہ سے۔

ہمارے گھر میں پہلا لڑکا میں ہی تھا۔ سو جی بھر کے سب کی محبت میرے حصے میں آئی۔

تب ہم سب ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔ اور چند سال بعد جب محبوب چچا کے گھر مشعال کی آمد ہوئی تو جیسے گھر بھر کو اک گڑیا مل گئی۔ اس سے پہلے ہمارے گھر میں صرف لڑکے ہی تھے۔ پہلی لڑکی کی آمد نے ان کی حکمرانی کو تاراج کیا تھا۔ اور تب ہمیں پتہ نہیں تھا کہ یہ بڑی ہو کر ہمارے دل کی بھی حکمران بن جائے گی۔ ہماری سوچوں پر راج کرے گی۔

میں پانچ فٹ نو انچ کا بندہ اس پانچ فٹ ڈھائی انچ کی لڑکی سے ہار بیٹھا ہوں۔

"ابے یار! بڑا بے وقوف ہے تُو۔" میں بار بار اپنے اندر سے اٹھنے والے عقل کے احتجاج کو دبا دیتا ہوں۔

افوہ مجھے یونیورسٹی سے دیر ہو رہی ہے اور دیکھو میں تم سے راز و نیاز کر رہا ہوں۔ اب تم بھی تو زندگی کا لازمی جز بن گئی ہو نا' کیا کروں۔ تمہارے بغیر بھی اب گزارا نہیں ہوتا۔ اب میں تمہیں اپنی قفل زدہ دراز میں محفوظ کروں گا۔ جیسے مشعال کو دل میں بٹھا کر تالا لگا دیا ہے اور پھر ہمیشہ کی طرح بے فکری سے سیٹی بجاتے ہوئے آئینے کے سامنے بال بناؤں گا۔ پرفیوم لگا کر اپنا والٹ موبائل اور فائل اٹھالوں گا۔ دنیا کی نظر میں مجھ سے زیادہ ذہین اور بے فکرا کوئی نہیں ہے۔

سو میری پیاری ڈائری اب میں تمہیں فی الحال خدا حافظ کہتا ہوں۔ کیونکہ تین بار امی مجھے ناشتے کے لیے بلانے آچکی ہیں۔

☼ ☼ ☼

یہ حقیقت تھی کہ میں محبت جیسے احساس سے قطعی بے خبر تھی۔ میں اپنی بے فکر زندگی میں مگن تھی۔ محبت میرے لیے صرف والدین کی شفقت کا احساس تھی۔ محبت کے کسی اور روپ سے میں نا آشنا تھی۔

وہ سخت گرمیوں کے دن کی اک خوشگوار شام تھی۔

کالج سے آکر میں سو گئی تھی۔ امی نے کھانا کھانے کو کہا مگر میں نے۔ آکر کولڈ ڈرنک پیا تو میری بھوک ہی مر گئی۔ جو میں فل اسپیڈ میں پنکھا چلا کر سوئی تو شام کو ہی اٹھی۔ اٹھنے کے ساتھ ہی پہلا احساس بھوک کا تھا۔ مگر میں واش روم میں نہانے گھس گئی۔ نہا کر آئی تو لاؤنج سے ابو اور خرم کے باتوں کی آواز آرہی تھی۔

"اب باہر نکلوں گی تو خرم کو سلام کرنا پڑے گا۔ اور لاؤنج سے گزرے بغیر کچن تک پہنچ نہیں سکتی۔" مجھے یہ سوچ کر کوفت ہوئی۔ بالوں میں برش کر کے گیلے بال پشت پر ہی کھلے چھوڑ دیے اور بادل ناخواستہ باہر آئی۔ بے دلی سے اسے سلام کیا۔ چچی اور مہرین سے مزید کوئی بات کیے بغیر میں کچن میں جا گھسی۔

"بیٹا! ہم بھی چائے پئیں گے۔" پیچھے سے بابا کی آواز آئی۔ مجھے پتا تھا کہ چائے کا ایک دور چل چکا ہو گا۔ اور یہ دوسری بار فرمائش ہوئی تھی۔ یہ فرمائشی پروگرام چلتا رہتا جب تک خرم بیٹھا رہتا۔ اسے بھی بابا کی طرح چائے کا بے تحاشا شوق تھا۔ میں نے کھانا کھانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اس وقت کھاتی تو رات کو نہ کھاپاتی' نتیجتاً امی خفا ہوتیں۔

"کیا بناؤں 'پکوڑے۔" میں نے سوچتے ہوئے فریج کھولا تو —— پکوڑے بنانے کا ارادہ ترک کر دیا حالانکہ پکوڑے مجھے سموسوں سے زیادہ پسند ہیں لیکن کون بیسن گھولے اور پیاز وغیرہ کاٹے۔

سموسے تل کر میں نے چائے بنائی۔ ایک ٹرے ان کے لیے تیار کی اور ایک اپنے لیے پھر ٹرے اٹھا کر لاؤنج میں آئی۔

"ابو کہاں گئے۔؟" میں نے استفسار کیا۔

"وہ چائے کا انتظار کرتے کرتے ابھی اٹھ کر اندر گئے ہیں۔ ویسے مشعال! آپ نے چائے چڑھائی تھی یا پائے۔؟" اس کے لب' اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

"یہ جو آپ مزے لے لے کر کھا رہے ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے دیر ہوئی۔" میں نے ہنس کر کہا۔ اس

نے فوراً ہی سموسہ اٹھالیا۔

"اوہ شکریہ آپ کا۔ سموسہ تلنے اور چائے پلانے کا۔"

"ویسے آپ کو چائے تو اتنی مرغوب ہے کہ آپ کو کوئی گہری نیند سے اٹھا کر بھی چائے پینے کو کہے تو آپ خوشی خوشی شکریہ کے ساتھ قبول کرلیں گے۔" میں نے بے ساختہ ہنس کر کہا۔

"اگر نیند سے اٹھانے والی آپ ہوں تو میں زہر بھی پی لوں گا۔ آپ کے ہاتھ سے۔"

اس گھسے پٹے فلمی ڈائیلاگ پہ میں نے چونک کر اسے دیکھا آج اس کا ہر انداز ہی بدلا ہوا تھا۔ لہجے سے نظروں تک۔ میں کوئی جواب دیے بغیر کچن میں آگئی۔ میرے سامنے میری تیار شدہ ٹرے رکھی ہوئی تھی۔ جس سے میں اپنے پروگرام کے مطابق چھت پر جا کر اسٹڈی کرتے ہوئے انصاف کرتی۔

یکدم مجھے سموسے زہر لگنے لگے۔

مجھے بے تحاشا جھنجلاہٹ ہو رہی تھی۔ اس کی نظریں اور لہجہ۔۔۔ میرا دل چاہ رہا تھا میں اٹھ کر جاؤں اور خرم کو چار جوتے لگا آؤں۔ اور میں ایسا کر بھی گزرتی۔ اگر خرم منیر میرے چچا کا بیٹا نہ ہوتا۔ مگر وہ نہ صرف یہ کہ میرے چچا کا بیٹا تھا بلکہ ابو کا لاڈلا بھتیجا بھی تھا۔ میں صرف پیچ و تاب ہی کھا سکتی تھی' سو کھا رہی تھی۔

اب وہ ابو کے ساتھ موجودہ سیاسی حالات پر تبصرہ کر رہا تھا۔

اونہہ۔ ایک ہی انڈا وہ بھی گندا۔" میں نے جل کر سوچا۔

☼ ☼ ☼

یار۔ ڈائری کتنے دن ہو گئے ہیں تم سے راز و نیاز کرتے ہوئے۔ اس تھرڈ سمسٹر نے تو تھکا مارا۔ میں اس کی تیاری میں ایسا لگا کہ سب کچھ بھول بھال گیا۔ کیا کہا محبت کو بھی؟ نہیں یار' کون بھول سکتا ہے بھلا محبت کو' یہ تھکا تھکا کر مار ڈالتی ہے۔ پر بھاگنے نہیں دیتی بھولنے نہیں دیتی۔

توجونہی میں اپنے آخری پیپر سے فارغ ہوا بے اختیار دل اس کو دیکھنے کو مچلا۔ مگر ظاہر ہے اس وقت تو میں اس کے گھر جا نہیں سکتا تھا چاہے وہ میرے چچا کا ہی گھر ہو بھلا دوپہر بھی کوئی وقت ہے۔ کسی کے گھر جانے کا۔ اور وہ بھی گرمیوں کے دن۔ سو میں دل کو سمجھا بجھا کر سو گیا۔ شام کو فریش ہو کر کمرے سے نکلا۔

"اماں! میں ذرا محبوب چچا کے گھر جا رہا ہوں۔ کوئی کام تو نہیں ناں؟" میں نے حسب معمول اماں کو اطلاع دی۔

"نہیں' اور تو کوئی کام نہیں ہے بس۔ مشعال کی طبیعت پوچھ لینا میری طرف سے۔ سنا تھا اسے پچھلے دنوں بخار رہا ہے۔ بہت نازک بھی تو ہے۔" اماں نے محبت سے کہا۔

"اس میں کوئی شک۔" میں نے زیر لب کہا۔

"کیا کہا؟" اماں نے دال صاف کرتے کرتے سر اٹھا کر مجھ سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ میں ایک گھنٹے میں واپس آجاؤں گا۔" میں نے مصنوعی سنجیدگی طاری کی۔

"دلی جذبات جو یوں منہ سے پھسلتے رہے تو جذبات یقیناً "عیاں ہو جائیں گے۔" میں نے خود کو گھر کا۔

میں وہاں پہنچا تو محبوب چچا عصر پڑھنے کے بعد گھر میں داخل ہو رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر خوش ہو گئے۔ بظاہر تو میں لاؤنج میں بیٹھا ان سے باتیں کر رہا تھا۔ مگر اندر ہی اندر اس کی آمد کا منتظر کہ کب وہ آئے اور میں اس کی ایک جھلک دیکھوں۔

کیا بتاؤں پیاری ڈائری! جتنا دن گرم تھا اتنا ہی تپش محبت نے نڈھال کر رکھا تھا۔ تب ہی وہ بال پشت پر پھیلائے کمرے سے برآمد ہوئی' رسمی سا سلام کر کے وہ کچن میں جا گھسی۔ اس کو ایک نظر دیکھ کر ہی میں خوش ہو گیا تھا۔ اس کا موڈ ٹھیک نہیں تھا۔ یہ میں نوٹ کر چکا تھا مگر ہو سکتا ہے یہ اس کی پچھلے دنوں بگڑی صحت کا نتیجہ ہو۔ یا وہ نیند سے بیدار ہوئی تھی اس لیے۔ لمبی نیند بندہ لے کر اٹھے تو اٹھنے کے بعد بھی کچھ دیر تک ذہن سویا سویا رہتا ہے۔ اور کسی سے بات کرنے کو جی

نہیں چاہتا۔

اسے دیکھتے ہی میرا دل عجیب انداز میں دھڑکنے لگا تھا اور میں جو ہمیشہ ان مصنفین پر ہنستا تھا۔ ان کی تحریروں کا مذاق اڑاتا جو لکھتے کہ اس کو دیکھ کر میرے دل کی دھڑکن کسی اور لے پر دھڑکنے لگی۔ تو میں سوچتا بھلا دل کی دھڑکن تو ویسی ہی ہے۔ کسی اور لے پر کیسے دھڑک سکتی ہے۔ لو دل نہ ہوا کسی میراثی کا ڈھول ہو گیا ۔ جو غمی خوشی پر الگ انگ بجتا ہے۔ مگر یہ تو تب کی باتیں تھیں جب میں اس کیفیت سے نہیں گزرا تھا۔ واقعی دل معمول سے ہٹ کر دھڑکتا ہے۔ شاید یہ احساسات کی تبدیلی کا چکر ہے۔

اور محبت کیا ہے۔؟

محسوسات کا مجموعہ ہی تو ہے۔ اسے آپ صرف محسوس کرتے جائیں کرتے جائیں اور اپنے اندر سرشاری امڈتے جائیں۔ تب آپ کو لگتا ہے کہ آپ نے محبت کو چھو لیا ہے۔ اس وقت یہ کوئی غیر مرئی چیز نہیں لگتی۔ اتنی قریب ہو جاتی ہے کہ اس کی قربت آپ محسوس کرنے لگتے ہیں۔ تب آہستہ آہستہ آپ خود محبت بن جاتے ہیں۔ صرف محبت۔

✡ ✡ ✡

یہ ٹھیک ایک ماہ بعد کی بات تھی۔ جب اماں پڑوس میں قرآن خوانی پر گئی تھیں اور میں وفی کو پڑھا رہی تھی۔ ابو عصر کی نماز پڑھنے گئے تھے اور ابھی تک نہیں آئے تھے۔ وہ نماز کے بعد چہل قدمی کرتے تھے۔ میں انتظار کر رہی تھی کہ وہ آئیں تو میں چائے بناؤں تب ہی بیل ہوئی۔ میں وفی کو دروازہ کھولنے کے لیے بھیج کر کچن میں آئی۔ جونہی چائے کا پانی چڑھا کر پلٹی تو خرم منیر کو کچن کے دروازے میں ایستادہ پایا۔ ناگواری کا اک شدید احساس تھا جو میرے روئیں روئیں سے ظاہر تھا۔

"راستہ چھوڑو۔" میرا دل خوف سے کانپا۔ بڑی مشکل سے میں نے لہجے کو مضبوط بنایا۔

"جب راستے ایک ہی ہوں تو راستہ روکنا اور چھوڑنا کیا مشعل محبوب۔"

وہ بڑی لفریبی سے مسکرایا تھا اور اک قدم اٹھا کر میرے سامنے آکھڑا ہوا۔

"تم مجھ سے کہاں بھاگو گی اگر بھاگنا بھی چاہو گی تو میں تمہیں بھاگنے نہیں دوں گا مشعل محبوب! کہ میرے دل کے تار تمہارے دل سے جڑے ہوئے ہیں اور تمہاری ہاتھوں کی لکیروں میں 'میرا ہی نام لکھا ہوا ہے۔ کہتے ہوئے اس نے میرے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ کر ہتھیلی کا رخ اپنی طرف کر لیا۔

"چھوڑو میرا ہاتھ۔" میں نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی وہ میری مزاحمت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"خرم منیر! میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی تم اتنی گھٹیا حرکت کر سکتے ہو۔" میں نے انتہائی بے بسی سے کہا تو اس نے ایک دم میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"نہیں مشعل! تم غلط سمجھ رہی ہو۔ میں تو صرف تمہارے ہاتھ میں وہ لکیر ڈھونڈ رہا تھا جو مجھ سے وابستہ ہے۔ مجھے یقین ہے۔ تمہارے مقدر کا ستارہ میں ہی ہوں۔" وہ کہہ کر رکا نہیں 'پلٹا اور گھر سے ہی نکل گیا۔

میں نے سکون کا سانس لیا۔ جہاں اس کے ہاتھ پکڑنے پر مجھے غصہ آیا تھا۔ وہاں یوں شرافت سے نکل جانے نے مجھے متاثر بھی کیا تھا۔

اس کے بعد کافی دن گزر گئے۔ مگر وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ ابو ہر دوسرے تیسرے روز اس کو یاد کرتے۔

اس دن کالج سے آکر میں نے کھانا کھایا۔ برتن سمیٹ کر کچن میں رکھے اور شام میں دھونے کا ارادہ کر کے میں نماز پڑھنے اپنے کمرے میں جانے کو پلٹی ہی تھی کہ فون کی بیل ہوئی۔ میں نے واپس پلٹ کر سی ایل آئی پر نمبر دیکھا۔

"یقیناً" مہرین ہو گی۔" سوچتے ہوئے میں نے مسکرا کر ریسیور اٹھایا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔" چند لمحوں کے بعد خرم کی بھاری آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی۔

میں کشمکش میں پڑ گئی۔

"کیسی ہو مشعل!"

"جی ابو اس وقت سونے چلے گئے ہیں۔ آپ ان سے شام میں بات کر لیجیے گا۔"

"میں نے چچا سے بات کرنے کے لیے فون نہیں کیا مشعل! تمہاری رائے جاننے کے لیے کیا ہے۔"

"میری رائے؟"

"ہاں ابو اور امی تمہارے گھر آنا چاہ رہے ہیں۔"

"مگر وہ تو آتے رہتے ہیں۔ اس میں میری رائے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔؟" میں نے اچنبھے سے پوچھا تو اس کی دھیمی ہنسی ابھری۔

"میں زندگی کا سفر تمہارے ساتھ طے کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لیے ہمارے ہاں بہت سیدھا سادا طریقہ ہے۔ کہ لڑکے کے والدین لڑکی کے والدین کے پاس رشتہ مانگنے جاتے ہیں۔" اس کی آواز میں شوخی نمایاں ہونے لگی۔

"تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں مشعل؟"

میں ایک دم سن سی ہو گئی۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میرا جواب کیا ہونا چاہیے۔

"بولو مشعل! تمہیں کوئی اعتراض؟"

"مجھے کچھ پتہ نہیں۔"

اور پھر میں اس وقت بھی خاموش رہی جب امی نے مجھ سے رائے لی۔ میری خاموشی کو رضامندی سمجھ کر ہاں کر دی گئی۔

اور یوں شام اس کے گھر والے آکر بات پکی کر گئے۔ یہ سب اتنا آناً "فاناً" ہوا کہ میں کچھ سوچ سمجھ ہی نہ سکی۔

پھر اس کے فون مستقل آنے لگے۔ اور اصرار بڑھتا گیا کہ بات کرو۔ اور تو اور امی ۔ بھی مجھے بلا کر فون تھما دیتیں۔ میں خجل ہو جاتی۔

"کمال کرتے ہیں آپ۔" وہ میرے بگڑنے پر ہنستا چلا جاتا۔

"اچھا شام کو آیا تو کہاں چھپ گئی تھیں۔ اور فون وہ کیوں نہیں اٹھایا کہ مجھے ۔ چچی سے کہنا ہی نہ پڑے۔"

میں اس کی بے چینی پر مسکرائے جاتی۔ وہ مسلسل بولتا رہتا پھر جھنجلا جاتا۔ "بولتی کیوں نہیں ہو۔؟"

اب ہنسنے کی باری میری ہوتی۔

میں پہلی بار محبت کے جذبے سے آشنا ہوئی تھی۔ ہمارے بیچ سماج کی کوئی دیوار نہیں تھی۔ معاشرے کا خوف نہیں تھا۔ ہم کزن تھے اور ہمارے والدین نے ہمیں ایک دوسرے سے منسوب کر دیا تھا۔ مجھے اک بار پھر پتہ ہی نہ چلا کہ میں کب محبت کی اس راہ کی مسافر بن گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

پیاری ڈائری۔ آج کتنے دنوں بعد تم سے راز و نیاز کر رہا ہوں۔ چلو آج میں تمہیں کچھ اپنے حالات بتاتا ہوں۔ یار تم دوست ہو اور دوستوں سے کیا چھپانا۔ یہ تب کی بات ہے جب میں انٹر کے امتحان سے فارغ ہوا تھا۔ گھر کے اندر بڑھتی ہوئی آبادی اور تیزی سے جوان ہوتے بچوں نے اچھے خاصے کشادہ گھر میں بھی تنگی پیدا کر دی تھی۔ اس تنگی کی وجہ سے افراد خانہ میں ہلکی پھلکی کشیدگی بھی رہنے لگی تھی۔

گھر کے بڑوں کو جلد یہ احساس ہو گیا کہ اب یوں کام نہیں چلے گا۔ سو مل بیٹھ کر اس کا حل نکالا کہ اس گھر کو بیچ کر سب اپنے حصے کی رقم لے کر الگ الگ گھر بنائیں۔ یوں بڑے چچا نے نسبتاً" بڑا گھر بنایا کیونکہ اس کے حصے کی رقم میں ان کی اپنی کمائی بھی شامل تھی۔ اب ظاہر ہے ریونیو میں انہوں نے جھک تو نہیں ماری تھی۔ بہت کچھ بنایا تھا اس ملازمت میں۔

محبوب چچا بھی ابا کی طرح حلال لقمہ کھانے کے عادی تھے سو ساری عمر سرکاری محکمے میں کلرکی کرتے اور رشوت سے بچتے رہے تھے پھر بھی ان کی قناعت کام آئی اور صدر کے کسی کونے میں چھوٹا سا گھر بنا ہی لیا۔

باقی رہے ابا۔ تھے تو وہ بھی قناعت پسند مگر پرائمری ٹیچر کے پاس اتنا بچتا کہاں ہے کہ کچھ بچا بھی سکے انہوں نے کورنگی کا رخ کیا وہاں پر شہر سے کم قیمت پر کشادہ گھر

مل جاتے ہیں۔

ابا جیسا کم گو راضی بہ رضا رہنے والا بندہ بھی میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ اپنے حال میں مست اور سے ان کی مسلسل بیماری نے انھیں اور بھی گوشہ نشین بنا دیا تھا۔ ان مشکل حالات میں یونیورسٹی میں داخلہ لینا خواب تھا لیکن میری محنت اور ذہانت نے اسے ممکن بنا دیا۔ وہ بھی انٹری ٹیسٹ کی وجہ سے ورنہ تو ذہانت وسائل سے اکثر ہار جایا کرتی ہے۔ سو بھلا ہو اس بندے کا جس نے یہ نظام متعارف کروا کر ہمارے جیسے مستحقین کو بھی یونیورسٹیوں میں پہنچا دیا۔

میں نے اپنے اضافی خرچے کے لیے چند ٹیوشنز لے لی تھیں اور بڑے مزے سے اپنی دنیا میں مگن تھا کہ مجھے اس محبت کا اوراک ہوا۔

پہلے پہل اس پر میرا بڑا رعب چلتا تھا۔ میں اسے ڈانٹ دیتا۔ چل بھئی۔ محبت نکل ادھر سے میرے پاس بالکل بھی ٹائم نہیں تمہیں دینے کو۔ مگر چند لمحے بعد ہی وہ کھلکھلاتے ہوئے نوٹس کے کسی لفظ سے نکل آتی۔ میں جھنجلا تا سر جھٹکتا اسے بھگا کر کتاب اٹھا لیتا مگر اسٹڈی کرتے ہوئے ابھی کچھ دیر ہی گزرتی کہ وہ کسی صفحے سے جھانکنے لگتی اور مجھے محبت کے اس سہمے روپ پہ بے اختیار پیار آتا۔ میں اسے کھینچ کر اپنے دل میں بٹھا لیتا۔

جس لمحے حقیقت کی دنیا میں لوٹتا تو اس سے اظہار محبت کے منصوبے بنانے لگتا۔ لیکن جب میں اس کے گھر جاتا تو میرے سارے کے سارے منصوبے ناکام ہو جاتے۔ میں خود کو اندر ہی اندر گھرکنے لگتا۔ "خبردار" ایسا مت کرنا۔ یہ کوئی شرافت ہے کہ تم اس معصوم لڑکی کا دامن کانٹوں میں الجھانا چاہتے ہو۔

"تو اس میں بھلا کانٹوں میں الجھانے والی کون سی بات ہے۔" میں خود سے ناراض ہو جاتا۔

"ارے پاگل اس لیے کہ وہ بھی تمہاری طرح اسے دل کی لگی نہ بنا لے۔ تم تو جانتے ہو تا جو محبت کرتے ہیں وہ کام کاج سے جاتے ہیں پھر کچھ بھی کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ سو اس معصوم لڑکی کو آرام سے بی ایس سی کرنے دو ٹھیک ہے اور خود بھی اپنا بی اے کمپلیٹ کر لو۔"

میں نے خود کو سمجھا بجھا کر بالآخر فیصلہ کر لیا۔

ہاں "مزے کی بات بتاؤں اس دن میں اس کے گھر گیا۔ بے اختیار میری نظریں اس پہ جم گئیں تو وہ کچھ جھنجلا سی گئی۔ میں اس کی جھنجلاہٹ سے محظوظ ہو کر ہنس پڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

سہانی صبحوں اور خوش گوار شاموں کا سلسلہ میری زندگی کا حصہ تھا۔ میں اپنی اس محبت کی دنیا میں خوش تھی۔ رات کو روزانہ اس کا فون آنا اب معمول بن چکا تھا۔ میں اس کے فون کی منتظر رہتی مگر کبھی میں نے خود سے اسے فون کرنے کو نہیں کہا تھا۔ نہ کبھی کیا تھا۔ وہ سارے دن کی روداد سناتا "اپنی بے چینیوں کے قصے سناتا اور میں خاموشی سے سنتی رہتی۔ یا ہنس پڑتی وہ جھنجلا جاتا۔

"کنجوس محبوبہ۔ کچھ تم بھی کہو۔"

"میں ایسے جھنجھٹ نہیں پالتی۔" میں اسے چڑاتی اور وہ چڑ جاتا۔

"اچھا" میرے تین سمسٹر گزرنے دو۔ فوراً" شادی کی تاریخ نہ رکھوائی تو کہنا۔ سارے بدلے لوں گا۔" وہ دھمکاتا۔

"سارے قرض چکا دوں گی تب۔"

وہ ہلکا پھلکا ہو کر ہنسنے لگتا۔ بمعہ سود لوں گا۔"

"جی نہیں" سود حرام ہے۔ صرف اصل۔" میں کھٹ سے جواب دیتی۔ اس نے یہ جملہ پکڑ لیا۔ روزانہ کہتا "بمعہ سود" اور میرا جواب ہوتا۔ "جی نہیں صرف اصل۔"

سالانہ امتحانات شروع ہونے والے تھے۔ وہ حسب معمول فون کرتا تو میں تھوڑی ہی دیر بعد اس کی منتیں کرنے لگتی۔

"فون بند کرو۔ تاکہ میں جا کر تیاری کر سکوں۔"

وہ مزے سے کہتا۔ "خود کر دو نا بند۔"

"نہیں تم ناراض ہو جاؤ گے۔"

"اچھا ڈرتی ہو میری ناراضی سے؟"

"ظاہر ہے۔ اتنے لمبے دیو سے کون نہیں ڈرے گا۔"

"خدا وب لڑکی۔ میں تمہارا ہونے والا مجازی۔۔۔"

"بس بس اب اتنا اتراؤ نہیں۔"

"محبت کا جہان فتح کیا ہے۔ پھر بھی اترانے کا حق نہیں؟"

مجھے اس کے لہجے کا مان بڑا بھلا معلوم ہوتا پھر اللہ اللہ کر کے امتحانات بھی ختم ہو گئے۔ میں نے سکھ کا سانس لیا۔ اب ابو کی خواہش پر ایم ایس سی میں داخلہ لینے کا ارادہ تھا۔

اک دن وہ آیا تو مجھے کچھ پریشان سا لگا۔ وہ ابو سے لمبا باتیں کر رہا تھا۔ ہم پر ایک دوسرے سے ملنے یا بات کرنے کی پابندی تو نہیں تھی۔ لیکن بہر حال ابو کے سامنے میں اس سے زیادہ بات نہیں کرتی تھی۔

میں چائے دے کر اوپر چھت پر آ تو گئی مگر دھیان سارا نیچے لگا ہوا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد قدموں کی چاپ میں نے سیڑھی کی طرف دیکھا۔ اسے دیکھ کر میں مسکرا دی۔ بڑا تھکا تھکا سا تبسم اس کے ہونٹوں پر تھا۔

"اوپر کیوں چلی آئیں؟"

"اس لیے کہ تم میرے پیچھے اوپر آؤ گے۔"

"اچھا۔" وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔ "اب چھڑا لو ہاتھ۔"

اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

"خود پکڑا ہے" خود چھوڑ دو۔" میں اس کی شرارت سمجھ گئی۔ وہ بڑے انہماک سے لکیروں کا معائنہ کرنے لگا۔

"چھوڑنے کے لیے تھوڑی پکڑا ہے۔"

"کیا خزانہ چھپا ہوا ہے؟"

"ہاں تو ایسا ہی ہے۔"

"کس کو ملے گا؟" میں نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔

"کسی مقدر والے کو۔" اس نے ہاتھ چھوڑ کر میری آنکھوں میں جھانکا۔ اور دونوں ہاتھ بالوں میں پھنسائے۔

"اور وہ مقدر کے سکندر تم ہو۔"

"لازمی بات ہے۔" وہ اداسی سے مسکرایا۔

"پریشان ہو؟"

اس نے لب بھینچتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"چھپا رہے ہو کچھ؟"

"اف وہمی لڑکی۔ تم تو روز عدالت لگاؤ گی۔ کیسے گزارا ہو گا۔" ہم دونوں ہنس پڑے۔

وہ چلا گیا مگر ابو کے چہرے پر فکر کے واضح آثار نے مجھے یہ ضرور باور کرا دیا کہ کوئی بے حد پریشانی والی بات ہے۔

میں چند دن انتظار کرتی رہی کہ شاید وہ خود ہی بتا دیں مگر پھر ایک صبح اماں سے پوچھ ہی لیا۔

"پتا نہیں بیٹا! اصل بات کیا ہے۔ مگر تمہارے باپ بتا رہے تھے کہ بھائی صاحب کی انکوائری شروع ہو گئی ہے۔ کوئی پیسوں ویسوں کا معاملہ ہے۔ مجھے پوری بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

"مجھے کیوں نہیں بتایا اس نے۔"

مجھے افسوس کے ساتھ غصے نے بھی آگھیرا۔

☼ ☼ ☼

دن بڑے بے کلی سے گزر رہے تھے۔

اس کا فون آیا تو میں لڑ پڑی۔ اسی لیے نہیں بتایا کہ تم پریشان ہو جاتیں۔"

"یہ کوئی جواز نہیں ہے۔ کیا تمہاری پریشانی میری پریشانی نہیں ہے؟"

"یہ ٹھیک ہے کہ ہمارے دکھ سکھ سانجھے ہیں۔ مگر میرے دل نے یہ گوارا نہیں کیا کہ تمہیں پریشان کروں۔"

مجھے اس کی محبت پر فخر ہونے لگا۔ اس کے بعد مسلسل پریشان کن خبریں ملتی رہیں۔

اور پھر چچا کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے فون جو پہلے ہی کم آتے تھے اب بالکل ہی آنا بند ہو گئے۔

ابو آفس سے سیدھے ان لوگوں کے پاس جاتے تو رات کو دیر سے آتے۔ وہ ہر ممکن کوشش کر رہے تھے ان کو بچانے کی۔

گھر میں اماں کا اٹھتے بیٹھتے کلمۂ شکر گونجتا۔

"اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں حلال رزق کی توفیق بخشی۔"

مجھے ان کی خود کلامی پر وہ دن یاد آجاتے جب وہ ابو سے اپنی کسمپرسی کا رونا رو کر چچا کی امارت کا ذکر کرتیں۔ آئے دن گھر میں جھڑپ ہوتی رہتی۔

"ضرورت کی ہر چیز تو ہے ہمارے پاس اور کیا چاہیے ہمیں؟"

میں جھنجلا تی تو جواباً وہ مجھے بھی قناعت پسند باپ کی بیٹی ہونے کے طعنے دینے لگتیں۔ اور اب میں ان کے شکر پر اس ٹینشن میں بھی مسکرا دیتی۔

بہت دنوں بعد وہ آیا تو بہت تھکا تھکا پریشان سا لگ رہا تھا۔

"اب کیا ہو گا؟" یہ سوال میں نے بڑی دقت سے پوچھا تھا۔

"جتنا لوٹانے کو کہہ رہے ہیں۔ اتنا جمع نہیں ہو رہا۔ سب کچھ بیچ دیا۔ زمینیں' دکانیں۔ پلاٹ اب صرف گھر بچا ہے۔ اوپر سے وہ کوئی مہلت دینے کو بھی تیار نہیں۔ اب جو ہم عیش کر کے کھا چکے۔ وہ اب کہاں سے لائیں پھر ابو بھی بیمار پڑ گئے ہیں۔ ان کی الگ پریشانی پھر ان کو آزاد کروانے کی الگ پریشانی ہے۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

وہ ٹھہر ٹھہر کر بے ربط جملے بول رہا تھا۔ میں اسے دو حرف تسلی کے بھی نہ کہہ سکی۔

یہ کیسا قدرت کا انتقام تھا۔ بندوں کے سامنے جواب دہی۔ شاید یہ سب اختیارات کا گورکھ دھندا ہے۔ جس کے پاس آجائے وہ لوٹتا ہے' خوف خدا سے عاری ہو کر پھر ان کے لیے یہی قدرت کا انصاف ہے۔

"ہمیں پتہ ہے کہ یہ قومی خزانے میں نہیں جائے گا۔ یہ' یہ پھر جیبوں میں جائے گا۔" اس کے جھنجلانے پر میری سوچ کا سلسلہ یکدم ٹوٹا۔

ایک بار پھر میں کچھ نہ بول سکی۔ قومی خزانے کا جیب سے جیب تک کا سفر آخر کب رکے گا؟ کون روکے گا؟ اس کی پریشانی پر میرا دل دکھ سے بھر گیا۔ میں اسے دلاسا دینا چاہتی تھی۔ ہمت بندھانا چاہتی تھی۔ لیکن لفظ میری زبان پر آتے آتے رک جاتے۔ میرا ضمیر مجھے کہتا' یہ مکافات عمل ہے۔ ہو کر رہے گا۔ میں خاموش ہو جاتی۔ مگر اس میں خرم کا کیا قصور۔ مجھے اس پر ترس آتا۔

"ہم گھر بیچ رہے ہیں۔" اس کی آواز اتنی مدھم کہ میں بمشکل سمجھ سکی۔

"اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔" اک بار پھر اس نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔ اس نے ایک گہری نگاہ مجھ پر ڈالی۔ مجھے لگا جیسے وہ میرا عندیہ لینا چاہ رہا ہو۔

"ہاں بیچ دو۔ اللہ بہتر کرے گا۔"

وہ طمانیت سے مسکرا دیا۔

"چھوٹے سے گھر میں گزارا کر لو گی؟" اس نے میری آنکھوں میں جھانکا۔

"میں کون سی محلوں کی عادی یا شہزادی ہوں۔" میں ہنسنے لگی۔

"تم میرے دل کی شہزادی ہو اور میرا دل کسی محل سے کم نہیں۔"

"بس' میرے لیے یہی محل کافی ہے۔ اسے نہ ڈھانا۔" میری شرارت پر وہ ہنس پڑا۔

اور کچھ ہی عرصے بعد پتہ چلا کہ انہوں نے کوٹھی بیچ دی۔ اس شام بہت عرصے بعد ابو گھر میں مسکراتے ہوئے داخل ہوئے۔

"بھئی مبارک ہو۔ بھائی صاحب گھر آگئے۔" صحن میں ہی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"اللہ تیرا شکر ہے۔ اس مصیبت سے چھوٹے۔" میں ابو کے کلمۂ شکر پر حسب معمول مسکرا رہی تھی۔

"بیٹا! فوری طور پر چائے پلاؤ۔ اور پھر تیار ہو جاؤ' لوگ ابھی ان کے گھر مبارک باد دینے جائیں گے۔"

چائے بنا کر ابو کو دینے کے بعد میں آدھے گھنٹے میں تیار تھی۔

بیس منٹ بعد ہم ان کے گھر پر تھے۔ چچا بہت کمزور مگر خوش دکھائی دے رہے تھے۔ چچی کچھ کھوئی کھوئی سی تھیں۔

"بھئی شکر ہے اللہ کا۔ ہمارے اپنے تو ہمارے ساتھ ہیں۔ اس مشکل وقت میں بھی اور اب اس خوشی میں بھی۔" مہرین ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ابو نے ہنس کر اس کی پیشانی چومی تھی۔

"کیسا لگا ہمارا یہ ڈربے نما گھر؟" وہ بہت گہری نظروں سے میرا جائزہ لے رہا تھا۔

"بہت اچھا۔ کم از کم اپنا تو ہے۔ اور ایسا ڈربے نما بھی نہیں۔ چار ہی تو افراد ہو۔ چار کمروں کا گھر ٹھیک ہے۔"

"نہیں۔ پانچ' خود کو کیوں نکال دیا؟"

اس کی اس بات پر میرے اندر گہری طمانیت اتر گئی۔ میں نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

"تم مطمئن ہو مشعال؟"

"کس بات سے؟"

"ہماری اس حیثیت سے۔ ہم بالکل تہی دامن ہو گئے ہیں۔ پتہ نہیں اب زندگی کیسے گزرے گی۔" اس کا لہجہ بہت تھکا تھکا سا تھا۔

"کیا محبت میں بھی کوئی حیثیت ہوتی ہے۔ محبت تو صرف محبت ہے خرم! کسی بھی حیثیت کو نہ دیکھنے والی محبت کرنے والے حیثیت نہیں دیکھتے۔ جو دیکھتے ہیں وہ محبت پرست نہیں مفاد پرست ہوتے ہیں۔ تمہیں گمان کیوں گزرا؟"

"ایسے ہی اکثر لوگوں کو دیکھا ہے۔ حالات بدلتے ہی خود بھی بدل جاتے ہیں۔"

"ارے آپ لوگ یہاں ہیں۔ ہم نیچے چائے پر انتظار کر رہے ہیں۔ فوراً آئیے۔" مہرین آوازیں دیتے ہوئے جیسے سیڑھیاں چڑھ کر آئی تھی۔ ویسے ہی واپس اتر گئی۔

سیڑھیاں اترتے ہوئے مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ خرم واقعی کچھ بدل گیا ہے۔ اتنے دن میں اس کی تبدیلی کو پریشانی سمجھ کر نظرانداز کرتی آئی تھی۔ مگر آج اس کی گفتگو نے کچھ الجھاؤ پیدا کیا تھا۔ مگر ایک بار پھر دل خوش فہم نے اسے موجودہ حالات سے مایوس قرار دے کر بری کر دیا۔

☆ ☆ ☆

دل بھی عجیب خوش فہم ہے کہ بدگمانی کی ہلکی سی تہہ ابھی اس پہ جمتی بھی نہیں کہ اپنی ہی دلیلوں اور تاویلوں سے خود کو صاف کر لیتا ہے۔

گزرتے دنوں کے ساتھ اس کا رابطہ نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ اور اب تو ہر نئے دن کے ساتھ مختلف خبریں گردش کرتے ہوئے ہم تک پہنچ رہی تھیں۔ گو امی ابو کے لاکھ چھپانے کے باوجود کوئی ایک آدھ جملہ میرے کانوں میں پڑ ہی جاتا۔

"آج میں نے اسے ایک لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا۔" اور امی اپنا دل پکڑ لیتیں۔ ابو کہہ کر سر جھکا لیتے۔ اب تو ابو یہ بھی نہیں کہتے تھے۔ کہ "اتنے دن ہو گئے خرم نے چکر نہیں لگایا۔" امی کا اصرار بڑھتا گیا۔ اور ابو کا انکار زور پکڑتا گیا۔

"میں بیٹی کا باپ ہوں۔ کیسے چل کر ان کے پاس جاؤں۔ شادی کی بات کرنے۔"

میں الجھی الجھی سی رہنے لگی۔ اک طرف دل نے نڈھال کر رکھا تھا۔ دوسری طرف امی ابو کی پریشانی اور راز داری نے۔ تب ہی میرے بچپن کی دوست اور کلاس فیلو امبرین آگئی۔

کتنی ہی دیر بیٹھی وہ رسمی باتیں کرتی رہی۔ مجھے لگا وہ کچھ کہتے کہتے رک جاتی ہے۔

"کہیں وہ بھی دل کے سفر پر تو نہیں نکل گئی۔" میرے ذہن میں ایک سوچ در آئی۔

"مشعال! خرم بھائی کیسے ہیں؟"

میری آنکھیں یکدم بھر آئیں۔ "پتہ نہیں۔"

"چکر نہیں لگاتے کیا؟"

"نہیں۔" میرا گلا رندھ گیا۔ بہت دنوں بعد کوئی

رازداں دوست ملی تھی۔ میرا دل پھوٹ پھوٹ کر رونے کو چاہ رہا تھا۔

"وہ فون بھی نہیں کرتے۔؟"

میں نے نفی میں سر ہلایا اور آنسوؤں پر بند باندھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"تم نے بھی نہیں کیا۔ ظاہر ہے تمہیں تو عادت ہی نہیں تھی فون کرنے کی۔"

"نہیں۔ میں نے دو تین بار کیا تھا۔ گھر پہ نہیں ہیں یا سو رہے ہیں۔ کا جواب میرین کی زبانی ملتا ہے۔ پتا نہیں اسے کیا ہو گیا ہے۔ تمہیں تو پتہ تھا نا اس کی دیوانگیوں کا۔ اور اب وہ بات کرنے اور شکل دکھانے سے بھی گیا۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ امبرین۔"

وہ خاموشی سے میرے بہتے ہوئے آنسوؤں کو دیکھتی رہی۔

"تمہیں پتا ہے۔ آج کل وہ کس کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے؟"

میں خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"وہ اس کے ساتھ پڑھتی ہے۔ بڑے باپ کی بیٹی ہے اور وہ بھی اکلوتی۔ بہت ساری زمینوں اور جائیداد کی وارث۔ کافی دن سے اس کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ مگر میں نے تمہیں اس لیے نہیں بتایا تھا کہ پہلے خرم بھائی کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ تمہیں تو پتہ ہے ناں کہ بھائی بھی وہیں پڑھتے ہیں۔ وہ مجھے اکثر بتاتے رہتے تھے۔ اب تو وہ کہتے ہیں کہ سارا دن دونوں ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ صرف یونیورسٹی تک ہی نہیں۔ اکثر میکڈونلڈ کے ایف سی میں بھی دیکھے جاتے ہیں اور اب تو یونیورسٹی میں ان کی جلد شادی کی افواہیں گرم ہیں۔"

تو میرے اندیشے غلط نہیں تھے۔

"کیوں رو رہی ہو۔ ایسے بے وفا کے لیے۔"

اس نے میرا سر اپنے شانے سے لگا لیا۔

اس دن میں بے تحاشا روئی۔ پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ شاید اس کی محبت میں مجھے اتنا آگے نہیں بڑھنا چاہیے تھا۔ مگر میں کب اس کی طرف بڑھی تھی ہم سے نے تو مجھے خود اس راہ پر چلایا۔ مگر مجھے خود پر غصہ آ رہا تھا۔

پھر ایک شام وہ غیر متوقع طور پر اچانک آ گیا۔ میرے چہرے پر پھیلی حیرت سے بھانپ گیا کہ میں حالات سے باخبر ہوں۔ میں نے دیکھا امی کی آنکھیں اس کے آنے سے چمک اٹھی تھیں۔ وہ ہمیں لاؤنج میں اکیلا چھوڑ کر کچن میں چلی گئیں۔

"مجھے افسوس ہے مشعال! کہ میری ذات سے تمہیں یہ دکھ ملا۔ تم میرے حالات سے باخبر ہو اور سمجھ دار بھی ہو۔ میں شاید تمہارے قابل نہیں تھا۔"

میں اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔

"مجھے احساس ہے کہ مجھے تمہیں راہ محبت پر نہیں چلانا چاہیے تھا۔ مگر شاید یہ۔ یہ سب تقدیر کا حصہ تھا۔ ہماری محبت بھی اور اب بچھڑنا بھی۔ میرا جرم تو بڑا ہے مگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔"

کہہ کر وہ رکا نہیں تھا۔ امی چائے لے کر آئیں تو وہ اپنے ضمیر کا بوجھ اتار کر جا چکا تھا۔ وہ کیسا کائیاں تھا۔ اپنی بے وفائی کو تقدیر کے کھاتے میں ڈال گیا تھا۔

اس شام جب میں آٹا گوندھ رہی تھی تو بیل بجی۔ میں نے ولی کو آواز دی کہ دروازے پر دیکھے۔ چند ہی لمحوں بعد وہ انویٹیشن کارڈ لے کر اندر آیا۔

"آپی! یہ خرم بھائی دے گئے ہیں۔" میرا دل زور سے دھڑکا تھا۔

میں نے ڈوبتی دھڑکنوں کے ساتھ ایک نظر اس کارڈ پر ڈالی۔

میں تقدیر کے اس وار پہ حیران و ششدر تھی۔ وہ یوں بھی کر سکتا ہے میرے ساتھ۔ مجھے ابھی تک یقین نہیں آیا۔ وہ میری انگلی پکڑ کر مجھے محبت کی راہ پر چلانے والا یوں اس بیاباں کی جھلستی دھوپ میں ننگے سر ننگے پاؤں مجھے تنہا چھوڑ سکتا ہے؟

ساری رات آنکھوں میں کٹی تھی۔ روتے اور تڑپتے ہوئے۔ میں نے ساکت اور بے جان وجود کے ساتھ لیٹے ہوئے فجر کی اذانیں سنیں۔

"مشعال بیٹا! اٹھو نماز پڑھو۔ وقت نکلا جا رہا ہے۔"

کچھ دیر بعد امی کی آواز پر میں نے اپنے تھکے تھکے وجود کو بمشکل گھسیٹا تھا۔ میں وضو کرکے جائے نماز پر کھڑی ہو گئی۔ اور انتہائی غائب دماغی سے نماز ادا کی۔ دعا کے لیے اٹھائے ہوئے اپنے ہاتھوں کو میں خالی نظروں سے تکے جا رہی تھی۔

"کیا ۔۔۔ کیا مانگوں؟ اس کی وفا!" ذہن نے نفی کی۔ "ہرجائی سے وفا؟ چہ معنی؟" کچھ بھی تو باقی نہیں بچا تھا۔ آنسو میری خالی ہتھیلیوں کو بھرتے رہے۔

"مشعال! مشعال! ادھر آؤ جلدی سے' جلدی۔"

امی کی بوکھلائی ہوئی آواز پر میں دوڑ کر باہر نکلی تھی۔

"وہ ۔۔۔ وہ اس حد تک کر سکتے ہیں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اب ۔۔۔ اب شادی کا دعوت نامہ بھجوایا ہے۔" ابو کے سینے میں درد اٹھا تھا۔ وہ اٹک اٹک کر بول رہے تھے۔ امی انہیں سنبھالنے کی ناکام کوشش کیے جا رہی تھیں۔ وہ درد کی شدت سے نڈھال ہو رہے تھے۔

"چھوڑیں ابو۔ کیوں دل پہ لے رہے ہیں۔ قسمت میں ہی ایسا لکھا تھا۔" میں نے خود پر ضبط کرکے انہیں جھوٹی تسلی دینے کی کوشش کی۔

"وہ ۔۔۔ وہ میرے اپنے تھے۔ انہوں نے بہت برا کیا میرے ساتھ۔" وہ روتے ہوئے باورچی خانے کے سامنے زمین پر ہی بیٹھ گئے۔ مجھے شدت سے احساس ہوا کہ مجھے یوں ہی باورچی خانے میں کارڈ نہیں چھوڑ دینا چاہیے تھا۔ میں نے ولی کے معصوم چہرے کی طرف دیکھا جو پریشانی سے ہمیں ہی دیکھ رہا تھا۔

پھر وہ سارا دن ہلال احمر کے آئی سی یو وارڈ کے ویٹنگ روم میں ٹہلتے گزرا۔ وہ مریض کے ساتھ صرف ایک ہی فرد کو اندر جانے کی اجازت دے رہے تھے چند بار امی باہر آئیں تو میں ابو کو دیکھنے اندر گئی۔ مگر وہاں چار اور بیڈ بھی تھے۔ ان سب مریضوں کے ساتھ جو تیماردار تھے۔ مجھے بے تحاشہ رنج نے آگھیرا کاش ولی ہی بڑا ہوتا تو وہ ابو کے ساتھ ہوتا اب تو رات ہو چکی تھی۔ ابو کو ابھی تک آکسیجن لگی ہوئی تھی۔ صبح سے رات تک ڈاکٹرز چار مرتبہ مختلف دوائیوں کی پرچیاں تھما چکے تھے۔ اسٹور کے چکر لگاتے اور ویٹنگ روم میں جاں گسل انتظار نے مجھے نڈھال کر دیا تھا۔ اس سے پہلی رات بھی آنکھوں میں کٹی تھی۔ اور اب دوسری رات بھی صوفے پر بیٹھے بیٹھے گزر رہی تھی۔ اور ۔۔۔ اور آج ہی تو اس کی شادی تھی۔ مجھے سارے دن کی تگ و دو کے بعد اک بار پھر رونا آ رہا تھا۔

صوفے پر بیٹھے بیٹھے میں نے کہنیاں گھٹنوں پر ٹکا کر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا تھا۔ آنسو تواتر سے میری آنکھوں سے گر رہے تھے۔ اپنوں کی بے حسی و بے وفائی نے مجھے اندر سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔

✡ ✡ ✡

یار ڈائری کتنے دن ہو گئے ہیں تم سے بات کیے ہوئے۔ کیا کروں یار۔ سانحہ ہی ایسا ہو گیا۔ میں جو اپنی محبت کی دنیا میں مگن تھا۔ سرشار تھا۔ آنکھوں میں خواب سجائے تو سمجھا تعبیر بھی اتنی ہی آسانی سے ملے گی۔

اس دن میں اپنے فورتھ سمسٹر کی تیاری کے سلسلے میں اپنے دوست سے نوٹس لے کر گھر آیا تو۔

"شکر ہے بھائی! آپ آ گئے۔ ورنہ مجھے دوبارہ چائے بنانا پڑتی۔" بہن نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

"اچھا چڑیل۔ میرے لیے چائے بنانے سے اتنی بیزار ہو۔" میں نے اس کے سر پر شرارت سے چپت رسید کی۔

"بھائی آپ پیتے بھی تو ہر گھنٹے بعد ہیں۔" اس نے منہ پھلا کر کپ میری طرف بڑھایا۔

"جی۔ اس لیے کہ مجھے یہ پھولا ہوا منہ اچھا لگتا ہے۔"

"یہ لیں لڈو کھائیں۔ خرم بھائی کی بات پکی ہو گئی ہے۔ تبھی ہم بھی آپ کے لڈو بانٹیں گے۔"

"اچھا' یہ تو خوشی کی بات ہے۔" میں نے پلیٹ سے لڈو اٹھایا۔ "کہاں ہوئی ہے؟"

"مشعال آپی کے ساتھ۔"

لڈو میرے حلق میں پھنس چکا تھا۔ ہاتھ میں پکڑا آدھا لڈو میں نے واپس پلیٹ میں رکھ دیا۔ مجھے یوں لگا تھا۔ جیسے میرے جسم سے کسی نے جان کھینچ لی ہو۔ اور میرے منہ میں لڈو نہیں زہر بھرا ہو۔ چائے کا کپ میں نے واپس رکھ دیا۔

"کیا ہوا بیٹا! اچھے نہیں لگے؟"

"عجیب ذائقہ ہے۔" میں بمشکل کہہ کر اپنے کمرے میں آیا تھا۔ واش بیسن کے سامنے کھڑے ہو کر میں نے کئی بار کلیاں کی تھیں۔

میری رگ رگ میں بے چینی دوڑ رہی تھی۔

"بھائی میں آپ کے لیے دوسری چائے بنا کر لاتی ہوں۔ اور یہ بسکٹ بھی۔"

"ہاں۔ ہاں رکھ دو۔" مجھے اپنی غائب دماغی کا خود ہی احساس ہو رہا تھا۔ میں خالی نظروں سے ٹیبل پر پڑی چائے کو دیکھنے لگا۔ مجھے اپنے سینے کا بایاں حصہ خالی خالی لگ رہا تھا۔ اک خلا تھا اور میں اس خلا میں گم ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے اٹھ کر کنڈی لگا لی۔ میری آنکھوں سے آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔

مجھے پہلی بار پتہ چلا موسم گریہ کیا ہوتا ہے۔ یہ موسم بن بلائے مہمان کی طرح مجھ پر وارد ہوا تھا۔ میں اپنے بیڈ پر اوندھے منہ پڑا تھا۔ مجھے اچانک اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا تو میں اٹھ کر ٹہلنے لگا پھر گھبرا کر گریبان کے بٹن کھول دیے۔ مگر میری گھبراہٹ کسی طور کم نہیں ہو پا رہی تھی۔ میں کنڈی کھول کر باہر نکل آیا۔

اس وقت میری ذہنی حالت انتہائی ابتر تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا میں چیخوں چلاؤں اچانک کسی نے زور سے ہارن دیا تھا۔ میں چونک پڑا۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو کار میں سے اک شخص سر نکالے بہت غصہ سے مجھے گھور رہا تھا۔ میں کوٹری پل کے بیچوں بیچ چل رہا تھا۔

"اے بہنا کیوں نہیں ہے۔" "بالکل ہی گدھا ہے" کار والا اسٹیئرنگ پہ ہاتھ مارتے ہوئے جھنجھلا کر چیخا۔

میں چپ چاپ ایک طرف ہو گیا۔ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو سارا چہرہ آنسوؤں سے گیلا تھا۔ پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ میں گھر سے پل تک روتا ہوا آیا ہوں۔ میں نے جھک کر سندھو دریا کی اڑتی ہوئی مٹی کو اور کہیں کہیں جوہڑ نما پانی کے دھبوں کو دیکھا وہ بھی مجھے اپنے دل ہی طرح لٹا ہوا ویران نظر آیا۔ اسے بھی جدائی کے درد نے ویران کیا تھا۔

جب آدھی رات کے قریب میں گھر آیا تو میری بہت پیاری بہن ابھی تک میرے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ اور نہ چاہتے ہوئے بھی مجھ سے کھانے کے لیے انکار نہ ہو سکا۔ میں نے اپنے دل کی ویرانی سے نگاہ چرا کر اپنی بہن کی نظر میں بھائی کے لیے محبت کا دریا دیکھا تھا۔ اس سمے میں اپنا درد بھول گیا۔ سندھو دریا کا دکھ بھول گیا۔ مجھے لگا۔ مجھے جینا ہے۔ ضرور جینا ہے۔ اپنے لیے نہیں کہ میری زندگی تو اب ختم ہو چکی۔ اب صرف اماں کے لیے ابا کے لیے اور اپنی اس پیاری سی چھوٹی سی بہن کے لیے۔ سو میں مر کر بھی زندگی کو گھسیٹنے لگا۔ مگر میرا وہ سمسٹر بہت برا ہوا۔ میرے ساتھی میرے استاد سب حیران رہ گئے کہ میں اتنا لائق فائق اسٹوڈنٹ اتنا خراب رزلٹ لایا ہوں۔

ان کو کیا پتہ تھا کہ محبت نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ میں ۔۔۔ واسع وحید ۔۔۔ اس بے اختیار جذبے میں یوں کھویا کہ سارے اختیار ہی کھو بیٹھا۔

✡ ✡ ✡

تمہیں پتہ ہے نا ڈائری۔ میں تمہاری پیشانی پر تاریخ نہیں ڈالتا۔ تم میری راز دار ہو اور رازوں کو تاریخ سے کیا لینا دینا۔ راز تو راز ہیں۔

میں لاکھ چاہنے کے باوجود خود کو سنبھال نہیں پا رہا تھا۔ ان ہی دنوں سر اسد مغل مجھے یونیورسٹی سے اپنے گھر لے گئے۔

"اب بتاؤ کیا پریشانی ہے تمہیں؟" سر نے اپنے ڈرائنگ روم میں کولڈ ڈرنک کا گلاس تھماتے ہوئے استفسار کیا۔

"کوئی خاص نہیں سر۔" میں نے مسکرانے کی ناکام

کوشش کی۔"

"واسع وحید! تم ہمارے بہترین اسٹوڈنٹ رہے ہو۔ پھر پچھلے سمسٹر میں ناکام کیوں ہوئے۔ میں وجہ جاننا چاہتا ہوں۔"

میں نے گلاس خاموشی سے ٹیبل پر رکھ دیا۔

"میں تمہیں خاموشی سے واچ کر تا رہا ہوں۔ جو نشانیاں بھی مجھے ملیں۔ خوش قسمتی سے یا بد قسمتی سے ساری عشق کی رلہ کی ہیں۔"

چند لمحے سکوت کے بعد ایک گہری سانس لیتے ہوئے وہ پھر گویا ہوئے۔

"کیا میں نے تمہیں ٹھیک دریافت کیا ہے؟"

"سر! آپ کے سامنے فرار ممکن ہی نہیں۔" مجھے اپنی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔

"تب ہی پوچھ رہا ہوں کون ہے وہ؟"

"چچازاد۔"

"پھر کیا مشکل ہے؟"

"وہ میری نہیں ہو سکتی' کسی اور سے منسوب ہو چکی ہے۔"

"ہوں۔ اسے پتہ تھا تمہارے جذبات کا؟"

"شاید۔۔۔ یقیناً" نہیں۔"

"یک طرفہ محبت' امر جلیل کہتا ہے۔ بڑی محبت ہمیشہ یک طرفہ ہوتی ہے۔" انہوں نے سر ہلایا۔ "میں تم سے یہ تو نہیں کہوں گا کہ محبت کرنا چھوڑ دو یا اسے بھول جاؤ کیونکہ یہ اختیاری جذبہ نہیں مگر سنبھل جانے کا مشورہ ضرور دوں گا۔ ہم تقدیر سے تو نہیں لڑ سکتے۔"

"سر! لڑ تو ہم دل کے ساتھ بھی نہیں سکتے۔"

"صحیح کہتے ہو تم۔" ان کی گہری سانس میں کوئی محبت کراہی۔

"مگر ینگ مین! میں چاہتا ہوں' تم آنے والے سمسٹر میں پہلے والا رزلٹ لاؤ۔" تمہیں پتہ تو ہے ہماری یونیورسٹی کے نظام کو پہلے بھی اسٹوڈنٹ پالیٹکس نے تباہ کر رکھا ہے۔ ایسے میں تمہارے جیسے چند گنے چنے شاگرد بھی دردِ دل کی وجہ سے ناکام ہونے لگے تو کیا بنے گا ہمارا۔"

"سر! میں کوشش کروں گا کہ اپنی توجہ پڑھائی کی طرف مبذول کر سکوں۔"

"ہاں' مایوسی کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو واسع وحید! مگر بہر حال ہمیں امیدیں ضرور جوان رکھنی پڑیں گی۔ اچھے دنوں کی آس اور امید کے بغیر ہم جی نہیں سکتے۔"

اور پھر سر اسد مغل کی توجہ اور ہمدردی کے باعث آہستہ آہستہ زندگی کے معمولات کی طرف پلٹنے لگا۔

میں نے مشعال کے ہاں جانا چھوڑ دیا تھا۔ میں دل کے مجبور کرنے پر ایک دوبار ہی گیا اور اس کی نگاہوں میں اپنے لیے بیگانگی دیکھ کر چلا آیا۔ ویسے بھی اب وہ پرائی تھی۔

سر اسد کی توجہ نے مجھے بڑی حد تک سنبھلنے کا حوصلہ دیا تھا' کچھ ہی عرصے بعد سر اسد کی تجویز پر میں ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں دوسری شفٹ میں جاب کرنے لگا۔

بعض اوقات دردِ دل دے کر تقدیر کچھ زیادہ ہی مہربان ہو جاتی ہے۔ مجھے بھی گھر بیٹھے ——— جاب مل گئی تھی۔ مجھے دھکے نہیں کھانے پڑے تھے۔ اس میں میرے آگے بڑھنے کے بہت چانسز تھے۔ سو میری رازدار ڈائری اب تو تم سے بھی بات چیت کرنے کا بہت کم موقع ملتا ہے۔

✵ ✵ ✵

آج میں بہت تھک کر گھر آیا تھا۔ شہر میں خود گھر بنوانا جان جوکھوں کا کام ہے اور وہ بھی اپنی نگرانی میں ورنہ ٹھیکے دار تو پتہ نہیں کہاں کہاں ڈنڈی مار جائیں۔

میرا یہ تقریباً" ایک ماہ سے معمول تھا کہ آفس سے سیدھا وہاں جاتا اور کام کی نگرانی کرتا رہتا۔ بڑی ہی محبت سے میں نے اس گھر کا نقشہ بنوایا پھر آہستہ آہستہ تعمیر بھی شروع کروا دی۔ ایک سال سے ہم کرائے کے گھر میں تھے کیونکہ کوٹری والا گھر بیچ کر میں نے شہر میں یہ پلاٹ لیا تھا اور ایک سال میں اتنا سرمایہ جمع ہو چکا تھا کہ میں اب گھر بنوا سکوں۔ فلیٹ کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے میں نے منیر چچا اور چچی کو نیچے اترتے دیکھا۔

بادلِ نخواستہ مجھے سلام کرنا ہی پڑا اور مجھے ان کی شفقت اور محبت پر کچھ کچھ حیرت بھی ہوئی۔ میں جلد ہی ان سے جان چھڑا کر اوپر پہنچا۔

"شاید ملٹی نیشنل کمپنی میں میری اعلا پوزیشن اور بھاری تنخواہ کا ان پر اثر ہوا ہے۔" میں سوچتے ہوئے گھر میں داخل ہوا۔

"عظمیٰ! مجھے کھانا دے دو' بڑی بھوک لگی ہے۔" میں نے بہن کو پکارا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ کھانا لے کر آئی۔ میں نے ابھی چند نوالے ہی لیے تھے کہ وہ بولی۔

"بھائی! آپ کو پتا ہے' خرم بھائی کی شادی ہو رہی ہے اور پتا ہے کس کے ساتھ؟"

میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"انہوں نے مشعال آپی سے منگنی توڑ دی۔"

"کیوں؟" میں حیرت زدہ رہ گیا۔

"ظاہر ہے پیسے کی خاطر' سنا ہے بڑے بزنس مین کی اکلوتی لڑکی ہے' اس سے ہو رہی ہے اس کی شادی۔"

مجھے اپنے احساسات کا ٹھیک طرح سے ادراک نہیں ہو پا رہا تھا کہ مجھے خوشی ہوئی ہے یا رنج۔ یقیناً" میرے لیے تو یہ خبر باعث خوشی تھی مگر مشعال۔۔۔ اس پر کیا گزری ہوگی۔ مجھے بے تحاشا رنج و غصے نے آگھیرا۔

"بیٹا! منیر بھائی نے ڈھکے چھپے لفظوں میں تمہارے اور مہرین کے رشتے کی بات کی ہے مجھ سے۔" پتہ نہیں کس وقت ابا کمرے میں آئے تھے' مجھے یک دم کرنٹ لگا۔

"نہیں ابا! میں منیر چچا کے گھر سے کوئی رشتہ نہیں جوڑنا چاہتا۔"

"مگر بیٹا! وہ بیٹی کا باپ ہو کر خود مجھے کہہ گیا ہے۔ میں کیسے انکار کر سکتا ہوں۔ تم خود سوچو۔ بھائی ہے وہ میرا۔"

ابا کی جس سادہ لوحی پر میں ہمیشہ فخر محسوس کرتا تھا' آج وہ مجھے بے حد بری لگی۔

"ابا! اول تو مجھے منیر چچا کا کیریکٹر پسند نہیں' جب وہ اپنے بیٹے کے لیے بڑے گھر کی لڑکی لا رہے ہیں تو بیٹی کے لیے میرا انتخاب کیوں؟ اور اگر آپ کے دل میں بھائیوں کے لیے اتنی ہی محبت ہے تو آپ کو مشعال کیوں نظر نہیں آ رہی۔" میں نے قطعیت سے کہا اور اٹھ کر باہر آگیا۔

چند سال پہلے جب مشعال کی منگنی ہوئی تھی' تب مجھے بے تحاشا دکھ ہوا تھا اور آج مجھے بے تحاشا غصہ آ رہا تھا۔

ساری رات مجھے نیند نہیں آئی۔ رہ رہ کے مجھے مشعال کا خیال آتا رہا۔ کیا گزرے گی اس کے دل پر۔

✵ ✵ ✵

اس واقعے کے چند ہی دنوں بعد ایک دن جب میں مغرب کے بعد گھر آیا تو سب لوگ خرم کی شادی میں جانے کے لیے تیار تھے اور میرے منتظر بھی۔

"کیا میرا جانا ضروری ہے؟" میں نے بے دلی سے پوچھا۔

"ہاں بیٹا! تم چلتے تو اچھا تھا ہمارے ساتھ۔" میں نے ایک نظر ابا کو دیکھا' یقیناً میرے جانے سے انہیں اچھا پروٹوکول مل سکتا تھا۔

"ٹھیک ہے' آپ لوگ تھوڑا انتظار کر لیں۔ میں تیار ہو کر چلتا ہوں۔"

ہم اس جگمگاتے ہال میں داخل ہوئے تو ہمارا پُرتپاک استقبال کیا گیا۔ میں بڑی بے نیازی سے جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ سامنے ہی خرم اسٹیج پر بیٹھا ہوا تھا' اسے دیکھ کر مجھے کراہیت سی محسوس ہوئی تھی۔

نکاح کے بعد سب باری باری اس کے گلے لگ کے مبارک باد دے رہے تھے ——— میرے تصور میں مشعال کا غمگین چہرہ آگیا۔

"میں اسے خصوصی مبارک باد دوں گا۔" میں نے کھڑے ہو کر سوچا اور تھوڑی دیر بھیڑ چھٹنے کا انتظار کرتا رہا۔ کھانا لگ چکا تھا۔ لوگوں کی توجہ اس طرف ہو گئی تو میں نے بڑی گرمجوشی سے مسکراتے ہوئے گلے لگایا اور اسے بھینچتے بھینچتے میں نے اس کے کان میں سرگوشی

کی۔

"خرم منیر! تم انتہائی گھٹیا، کمینے اور مکار شخص ہو۔" اس نے بدک کر پیچھے ہٹنے کی کوشش کی تھی مگر میری گرفت مضبوط تھی۔ میں بظاہر مسکرا رہا تھا۔ اس نے حیرت سے میرے چہرے کو دیکھا۔

"بے وفا اور اک معصوم لڑکی کے جذبات کے قاتل بھی۔" میری سرگوشی انتہائی مدھم تھی۔ اس نے خوف زدہ ہو کر دائیں طرف بیٹھی اپنی دلہن کو دیکھا۔ میں نے ایک جھٹکے سے اسے چھوڑ دیا اور تیزی سے اسٹیج سے اترا اور ہال سے باہر نکل آیا۔

آج ۔۔۔ آج مشعال محبوب کے دل کی کیا حالت ہوگی۔۔۔ مشعل محبوب ۔۔۔ مشعل محبوب ۔۔۔

تھوڑی ہی دیر بعد میں اس کے گھر کے دروازے پر کھڑا تھا۔ بیل بجائی تو ولی نے دروازہ کھولا۔

"واسع بھائی! ابو تو صبح سے ہلال احمر میں ایڈمٹ ہیں۔" وہ مجھ سے لپٹ کر روہانسا ہو گیا۔

"گھر میں کون ہے؟"

"کوئی نہیں، میں اکیلا ہوں۔ امی اور آپی تو ہاسپٹل ہیں۔" مجھے اپنی بے خبری پر بے تحاشا غصہ آیا۔

"ولی! تم بیٹھو، میں اسپتال سے ہو کر پھر آتا ہوں، ڈرنا نہیں، اندر سے کنڈی ٹھیک طرح سے بند کر لینا۔"

میں طوفانی رفتار سے ہلال احمر پہنچا۔ ایمرجنسی وارڈ کے باہر مجھے سیکیورٹی گارڈ نے روک دیا تھا۔ مریض کے ساتھ صرف ایک ہی بندہ اندر جا سکتا تھا۔

"میں اندر جا کر مریض کے ساتھ جو خاتون ہیں ان کو باہر بھیج دیتا ہوں۔"

"نہیں سر! پہلے وہ باہر آئیں پھر آپ اندر جائیں گے۔" گارڈ سے تکرار کرتے ہوئے میری نظر سامنے ویٹنگ روم میں بیٹھے ہوئے افراد پر پڑی۔ صوفے پر ہاتھوں سے چہرہ چھپائے ہوئے وہ کوئی اور نہیں مشعال محبوب ہی تھی۔

"مشعال ۔۔۔ مشعال ۔۔۔" دوسری بار پکارنے پر اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ شاید وہ بہت دیر سے رو رہی تھی۔ اس کی آنکھیں لال ہو رہی تھیں۔

"مشعال! اٹھو، میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔ ولی اکیلا ہے۔" مجھ سے کچھ اور نہ بن پڑا تو میں نے سیدھے کام کی بات کی۔

"نہیں۔" اس نے انکار میں سر ہلایا۔ "امی یہاں اکیلی ہیں، کیسے سنبھالیں گی سب۔"

"میں تمہیں چھوڑ کر یہیں آؤں گا۔ تم صبح آجانا، تب تک میں یہاں ہوں نا۔"

اس بار اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے پلٹ کر وارڈ کا دروازہ کھولا، گارڈ مجھے روکنے کے لیے کرسی سے اٹھا تھا۔ میں نے جھنجلا کر اسے دور کیا۔ سامنے ہی چچی کھڑی تھیں۔ پورے وارڈ میں اس اکیلی عورت کو دیکھ کر مجھے بے تحاشا شرمندگی نے آگھیرا۔ انھیں باہر بلا کر میں نے ساری بات بتائی۔

"تم پھر آؤ گے نا؟" انہوں نے پھر تصدیق چاہی۔

"ہاں ہاں میں ابھی آتا ہوں۔ گھر سے کچھ منگوانا ہو تو بتا دیں۔" پھر میں چند چیزیں نوٹ کر کے مشعال کو لے کر باہر نکلا۔

وہ بائیک دیکھ کر جھجکی تھی۔

"ڈرو نہیں، بیٹھ جاؤ۔"

"میں کبھی بیٹھی نہیں پہلے۔"

"میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤ۔" میں نے بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ ایک بار اس نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا مگر پھر فوراً ہی ہٹا لیا۔ گھر پہنچتے ہی میں نے اسے اپنے لیے چائے اور چچی کے لیے کھانا پکانے کو کہا تھا۔

"نہیں، اب کھانے کا وقت گزر گیا، امی نہیں کھائیں گی۔ میں ان کے لیے بھی چائے بنا دیتی ہوں اور ساتھ بسکٹ رکھ دوں گی۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" میں آ کر صحن میں بنی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔

حیدر آباد کی ہوائیں بہت ٹھنڈی اور بہت بھلی محسوس ہو رہی تھیں۔ سوئی دیوار پر بال مار کر بلے بازی

کر رہا تھا۔ میں بڑی دلچسپی سے اس کا کھیل دیکھنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ٹرے اٹھائے چلی آئی۔ اس نے صحن اور برآمدے میں نگاہ دوڑائی۔

"میں یہاں بیٹھا ہوں مشعال! ادھر آؤ۔" وہ ذرا جھجکی۔

پھر بڑے اعتماد سے چند سیڑھیاں چڑھ آئی۔ اس نے ٹرے بیچ کی سیڑھی پر رکھی اور خود ایک سیڑھی نیچے بیٹھ گئی اور خاموشی سے چائے پینے لگی۔

"تم بسکٹ کیوں نہیں لے رہیں؟" میں نے خاموشی کو توڑا۔

"جی نہیں چاہ رہا۔" وہ کہہ کر پھر خاموش ہو گئی۔

"مشعال!" اس نے سر گھما کر مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ میں نے اس کی آنکھوں کو غور سے دیکھا۔

"خرم نے راستہ تبدیل کر لیا۔ اس کی منزل تو تم تھیں؟"

"اسے حق تھا، بہتر چناؤ کا۔" اس کی آواز میں لرزش نمایاں تھی۔

"تم بہتر چناؤ نہیں تھیں؟"

"بعض لوگوں کے لیے محبت بہتر چناؤ نہیں ہوتی۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"مشعال! محبت کا ذائقہ کیسا ہوتا ہے؟"

میرے سوال پر اس کی آنکھیں بھیگیں۔ اس نے منہ پھیر لیا۔ چند لمحے سکوت بعد اس کی خود کلامی بمشکل میری سماعت تک پہنچی۔

"وہی جو موت کا ذائقہ ہے۔"

مجھے لگا جیسے میرے جسم سے جان چھن چھن کر اس کی آواز کے ساتھ نکلی ہو۔ میں سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس کی چھلکنے کو بے تاب آنکھوں میں جھانکتے ہوئے قطعیت سے کہا۔

"نہیں۔ جو زندگی کا ذائقہ ہے۔" میں نے اس کا ہاتھ تھاما۔ "بعض لوگوں کے لیے صرف محبت ہی بہتر چناؤ ہوتی ہے مشعال!"

میں کہہ کر رکا نہیں۔ ضروری سامان جو ہاسپٹل کے لیے اس نے تیار کیا تھا، وہ اٹھایا اور باہر نکل آیا۔ مجھے پتہ تھا اس کی آنسو بہہ رہے ہوں گے اور بائیک چلاتے ہوئے میرے آنسو بھی اس کے غم میں برابر کے شریک تھے۔

محبت کرنے والے محبت کرنے والوں کو پہچان لیتے ہیں۔ میں ۔۔۔ واسع وحید بھی پہچان گیا۔

وہ دن مجھے رہ رہ کے یاد آ رہا تھا۔ جب میری بے تابی حد سے بڑھی ہوئی تھی، میں اس کے گھر گیا تھا۔ وہ خرم کے ساتھ میٹھی باتیں کر رہی تھی۔ تب میں نے اس کی آنکھوں میں محبت کی قندیلیں روشن دیکھی تھیں۔ میں اپنے دل میں اندھیرے سمیٹے چلا آیا تھا پھر میں اس کے گھر نہیں گیا کہ کہیں یہ سیاہی اس کی روشنی کو ماند نہ کر دے پھر ۔۔۔ پھر کیوں در آئی اس کی زندگی میں یہ سیاہی۔ مجھے خرم منیر سے بے تحاشا نفرت محسوس ہوئی۔

☼ ☼ ☼

میری زندگی مر چکی تھی اور میرا دل ہجر کے زہر سے نیلو نیل ہو چکا تھا۔ میں اپنے مردہ وجود کو گھسیٹ رہی تھی۔

مجھے کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ میں نے خاموشی سے نکاح نامے پر دستخط کر دیے تھے۔ خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ تقدیر کے اتنے چکر اپنی مختصر زندگی میں، میں دیکھ چکی تھی کہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی ختم ہو چکی تھی۔

ایک ماہ میں ابو کو دوسرا اٹیک ہوا تھا۔ وہ بے تحاشا پریشان ہو گئے۔ تب ہی ان کے دوست نے اپنے بیٹے کے لیے میرا رشتہ مانگا۔ ابو نے فوراً "ہاں" کر دی۔ مجھے صرف فیصلہ سنایا گیا۔ میں چاہنے کے باوجود انکار نہ کر سکی۔ ابو کی طبیعت آئے دن خراب رہنے لگی تھی۔ ان کا علاج اب صرف بائی پاس تھا اور ابو اس سے پہلے میری بات کہیں طے کرنا چاہتے تھے۔

یوں میرا نکاح منیب کے ساتھ ہو گیا۔ رخصتی بعد میں کرنے کا فیصلہ ہوا تھا۔ ابو بہت خوش تھے اور میں

بے حد پریشان۔ میں کسی اور کے ساتھ زندگی شروع کرنے کے لیے بالکل تیار نہیں تھی۔ میں تو صرف تقدیر کے اس چکر پر حیران تھی کہ میرے ساتھ ہو کیا رہا ہے۔

ہر بات غیر متوقع اور حیران کن تھی کہ جس پر یقین نہیں آرہا تھا۔

خرم منیر یوں راہ میں چھوڑ دے گا۔

ابو یوں بستر سے لگ جائیں گے۔

گھر کے معاشی حالات یوں تبدیل ہو جائیں گے۔

ہم پیسے انگلیوں پر گن گن کر بجٹ بنائیں گے

اور میرا نکاح یوں کسی اور سے ہو جائے گا اور میں اس پھانسی نامے پر یوں چپ چاپ دستخط کر دوں گی۔

ہر بات ہر کام ہمارے اختیار سے باہر تھا۔ باوجود کوشش کے ہمارے حالات خراب ہی ہوتے جارہے تھے۔

✲ ✲ ✲

میں نے گھر میں مشعال کے لیے رشتہ بھیجنے کی بات کی تھی۔ ابو شش و پنج میں پڑ گئے تھے کہ وہ منیر چچا کو کیسے انکار کریں۔ میں نے مشعال کو اپنانے کا حتمی فیصلہ سنا دیا تھا۔

"بھائی! آپ واقعی مشعال آپی کے لیے سنجیدہ ہیں؟" عظمیٰ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں' تمہیں شک کیوں ہے؟"

"کیا آپ کو ان کے حالات پر رحم آرہا ہے؟"

"نہیں' میں یہ اس کے لیے نہیں' اپنے لیے کر رہا ہوں' صرف اپنی خوشی کی خاطر بہنا!"

"بھائی! آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟" اس کی آنکھوں میں ایک دم پانی بھر آیا۔ "ہم پہلے ہی ان کو آپ کے لیے مانگ لیتے۔"

"میں نے دیر کر دی تھی ناں' مگر اب دیر نہیں کرنا ہے۔ ٹھیک ہے۔" میں نے محبت سے اس کے سر پہ تھپکی دی۔

"اچھا تو یہ رت جگے اس لیے تھے اور ہم سمجھتے کہ یہ پڑھائی ہو رہی ہے' کمرہ بند کر کے اسٹڈی ہو رہی ہے۔"

ہم دونوں ہی ہنس پڑے۔

میں پندرہ دن کے لیے نواب شاہ' سکھر' گھونکی آفس کے کام سے جارہا تھا۔ مجھے اپنی کمپنی کی پراڈکٹس کے بارے میں تفصیلی رپورٹ تیار کرنا تھی۔ ان شہروں میں ہماری پراڈکٹس کی کامیابی کتنے فیصد ہے؟ مستقبل میں ان کی کامیابی کے کیا امکانات ہیں۔ اور اس کے لیے ہمیں کیا اقدامات کرنے پڑیں گے۔ میں مختلف شہروں میں مختلف لوگوں سے ملتا' اعداد و شمار جمع کرتا رہا۔ میں نے یہ پندرہ دن بڑی مشکل سے کاٹے تھے گو کہ کام پوری ایمان داری سے مکمل کیا تھا۔ پندرہ دن بعد گھر پہنچا تو میرے دل کا سکون ایک بار پھر لٹ چکا تھا۔

"بیٹا! ہم رشتے کے لیے ہی جارہے تھے' تب ہی محبوب بھائی کا فون آگیا کہ مشعال کا نکاح ہو رہا ہے۔"

مجھے دوسری بار شدت سے اپنے باپ کی سادگی' عاجزی' وضع داری بری لگی۔

وہ میری ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔ اب ایک بار پھر اسے گنوا دینا بڑا کٹھن تھا مگر میں ایک بار پھر کٹھنائیوں میں گھر چکا تھا۔ تین دن میں بخار میں پھنکتا رہا' جھلستا رہا۔ تب عظمیٰ نے گھبرا کر سر اسد کو فون کیا تھا۔

وہ شام ہی کو چلے آئے۔

"تمہاری کیا حیثیت ہے واسع وحید؟" سر نے چشمے کے پیچھے سے مجھے بغور دیکھا۔ میں ان کی بات سمجھ نہ سکا۔

"کیا تم تقدیر سے لڑ سکتے ہو' نہیں ناں۔ اگر تقدیر بدلنے پر قادر نہیں ہو تو پھر اس پر صابر و شاکر رہو' یہی بندگی کا حق ہے۔" ان کے سمجھانے پر میری آنکھیں پھر بھر آئیں۔

"سر! ہمارا اختیار تو محبت پر ہی نہیں چلتا' تقدیر تو دور کی بات... ناممکن..."

"پاگل' محبت بھی تو تقدیر کا حصہ ہے۔ دیکھو اگر تمہاری محبت کا تمہارے نصیب میں ملنا لکھا ہے تو اسے تم سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ اگر نہیں لکھی تو تم

زمین کو انٹ دو یا آسمان کو شق کردو' وہ تمہیں نہیں ملے گی۔ تو واسع وحید! تم بھی سنبھل جاؤ۔ تمہارا سنبھلنا تمہارا اصبر بھی ہوگا اور شکر بھی۔"

میرے آنسو خاموشی سے میرے اندر گرتے رہے۔

☼ ☼ ☼

ڈیر ڈائری! بہت دن بعد آج تم سے مخاطب ہوں۔ چند ماہ گھر کی مکمل سیٹنگ میں لگ گئے۔ میں اپنی عملی زندگی میں کامیابیاں حاصل کرتا رہا۔ سیلری پہلے سے بڑھ کر چالیس ہزار ماہانہ ہو گئی۔ شوروم سے گاڑی پسند کر آیا ہوں جو کل ہی مل جائے گی۔ لوگ رشک کرتے ہیں کہ کیسا محنتی لڑکا ہے' اپنی محنت سے معاشرے میں مقام بنالیا ہے۔

مگر مجھے کوئی تعریف' کوئی جملہ دل سے خوش نہیں کرتا۔ یار! تمہیں تو پتہ ہے میرے دل کا' اس کی خوشی کا۔ راہ محبت کے مسافر سب کچھ پالینے کے باوجود خالی ہاتھ ہوتے ہیں' اگر محبت نہ ملے تو۔

☼ ☼ ☼

میرے لیے وقت جیسے رکا ہوا تھا۔ دن کاٹے نہیں کٹتے اور راتیں آنکھوں میں کٹتی تھیں۔ گھر کے ماحول پہ اداسی اور پژمردگی کا راج تھا۔ ابو کی تین ماہ کی چھٹیاں ختم ہونے میں اب صرف پندرہ دن رہ گئے تھے مگر ان کی طبیعت بہتر نہیں ہو پارہی تھی۔ ڈاکٹر کہتے ٹینشن نہ لیں' کوئی بات نہ سوچیں۔ اور وہ کہتے۔

"بھلا سوچنا میرے بس میں کب ہے۔ بیٹھے بیٹھے خیال آتا ہے کہ بڑے بھائی نے کیا کیا میرے ساتھ' کس بات کا بدلہ لیا انہوں نے۔"

امی کہتیں۔ "بیٹی کا نکاح کرنے کے بعد بھی آپ مطمئن نہیں ہوئے۔"

وہ خاموش ہو جاتے مگر مجھے پتہ تھا وہ میری وجہ سے پریشان تھے۔ میں بھی کیا کرتی' اپنے تئیں کوشش تو کرتی تھی کہ ان کے سامنے خود کو خوش ظاہر کروں مگر پھر پتہ نہیں میں کیسے بے اختیار ہو کر سوچنے لگتی اور ان کے سامنے ان کے کمرے میں بیٹھے بیٹھے گم ہو جاتی' کسی غیر مرئی نکتے پر نگاہیں جم جاتیں۔ تب کچھ دیر بعد میں ان کی نظروں کی تپش محسوس کرنے پر چونکتی تو وہ نظریں پھیر لیتے۔ میں نے اس کا حل یہ نکالا کہ میں اب جب بھی ان کے کمرے میں جاتی تو بولتی رہتی۔ وہ صرف ہوں ہاں کرتے نظریں چراتے رہتے اور مجھے ان کے اس طرح کرنے سے رنج ہوتا۔ انہوں نے ایک بار اماں سے کہا تھا۔

"میں مشعال کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا۔"

ان کی یہ بات اکثر مجھے رنجیدہ کر دیتی۔ اب اکثر امی سے سننے کو ایک ہی بات ملتی۔

"تمہارا باپ چاہتا ہے کہ تمہاری رخصتی کروے مگر تم کچھ سنبھل جاؤ تو پھر۔"

میں چپ ہو جاتی' اب سنبھلنا میرے بس میں تو نہ تھا۔

اس دن میں امبرین کے گھر گئی تھی۔ اس سے مل کے بات کر کے کچھ دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ مخلص دوست بھی بہت بڑی نعمت ہوتے ہیں۔

میں گھر آئی تو وہ لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے اور شادی کا ہی ذکر کر رہے تھے۔ مجھے ایک بے نام سی کوفت نے آگھیرا۔

"بھائی صاحب! ہم رخصتی تو کرالیں گے مگر آپ کے مالی حالات شاید ایسے نہ ہوں۔" یہ منیب کی ماں کی آواز تھی۔

"ارے نہیں بہن۔ اس کا جہیز تو تیار ہے۔ زیور بنا ہوا ہے۔ فرنیچر کے بھی آدھے پیسے دیے ہوئے ہیں۔"

"بھائی صاحب! صرف جہیز تو نہیں ہوتا اور بھی سو طرح کے خرچے ہوتے ہیں۔ ہال کی بکنگ۔ کھانے کا انتظام وغیرہ وغیرہ۔"

"ہاں بہن۔ شادی تو ہے ہی خرچ کا نام مگر خیر ہو۔ یہ کھانے اور ہال کا انتظام تو لڑکے والوں کی ذمہ داری ہے۔"

"نہیں۔ نہیں بھائی صاحب! ہمارے ہاں تو ایسا نہیں ہوتا۔ کھانا اور ہال کی ذمہ داری دلہن والوں کی ہوتی ہے۔"

ابو اور امی چپ رہ گئے تھے۔

ان کے جانے کے بعد ابو کو فکر لگ گئی کہ یہ سارے انتظامات کیسے ہوں گے۔

اسی رات ان کی طبیعت خراب ہوئی اور طبی امداد ملنے سے پہلے ہی وہ زندگی ہار گئے۔ وہ سارا دن کچھ ہوش نہ تھا۔ نہ کسی کے آنے کا نہ جانے کا ایسا لگتا تھا کہ اب ہماری زندگی بھی ختم ہے۔

ولی چھوٹا تھا۔ اور گھر میں واحد مرد بھی۔ اب ہمارا واحد سہارا وہی تھا۔ چچا وحید نے پیسے دیے تھے۔ اک بار تو ہم نے مروت میں رکھ لیے پھر سہولت سے منع کر دیا۔ ابو کی پنشن کے ساتھ اب میں بچوں کو ٹیوشن بھی دینے لگی تھی۔ سوچا تھا کہ جاب کرلوں۔ مگر امی نے منع کر دیا۔ یہ کہہ کر کہ "جیسے ہی عدت ختم ہوگی میں تمہاری رخصتی کر دوں گی۔" اور ویسے بھی میں امی کو گھر میں اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتی تھی۔ سو خاموش ہو گئی۔

ابو کو فوت ہوئے ابھی دو ماہ ہی ہوئے تھے کہ منیب کی اماں نے اک نیا شوشہ چھوڑ دیا کہ یہ گھر میرے نام کر دیا جائے۔ امی نے ڈھکے چھپے لفظوں میں انکار کیا کہ یہ ان کے سر چھپانے کا ٹھکانہ تھا۔

اس دن تو وہ چلی گئیں مگر چند دن بعد پھر آوارد ہوئیں۔ اب تو باقاعدہ تقاضا کیا۔

"خود مشعال کہتی ہے کہ اس گھر پہ صرف ولی کا حق ہے۔" امی نے کہا۔

"دیکھیں بہن ہم کون سا کہتے ہیں کہ ہمارے یا منیب کے نام کر دیں۔ ہم خود صرف یہ چاہ رہے ہیں کہ مشعال کے نام ہو جائے۔"

مجھے ان سے گھن آنے لگی۔ دل چاہا ہاتھ میں پکڑی ہوئی چائے کی ٹرے ان کے سر پر دے ماروں۔

"آپ سوچ لیں مشعال کو اندازہ نہیں کہ اگر ہم رشتہ توڑ دیں تو ساری عمر اسی گھر کی دہلیز پر بیٹھی رہے گی۔"

امی تو شاید میری خاطر یہ بھی کر گزرتیں لیکن اس بلیک میلنگ کے سامنے سر جھکانے کا مطلب تھا اپنے بھائی اور ماں کو بے گھر کرنا سو میں نے صاف صاف کہہ دیا۔

"میری قسمت میں شادی ہے تو ہو جائے گی ورنہ میں زندگی یونہی گزار لوں گی۔ رشتوں کی بنیاد لالچ پر نہیں رکھی جا سکتی۔ مجھے اپنے رب پر بھروسہ ہے۔"

امی نے انہیں میرا جواب بتا دیا اور اس کا نتیجہ چند دنوں بعد سامنے آگیا۔

میں دوپہر کے لیے کھانا بنا رہی تھی۔ ولی ابھی اسکول سے آیا تھا کہ بیل بجی۔ میں نے ولی سے کہا کہ دروازے پر دیکھے۔ شاید وحید چچا آئے ہوں۔ عموماً وہ اسی وقت آتے تھے۔ تب ہی ولی لفافہ ہاتھ میں لے کر آیا۔ میں نے اسے ٹیبل پر رکھنے کو کہا اور خود روٹی بیلنے لگی۔

امی کی گھٹی گھٹی چیخ پر میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہ دل پر ہاتھ رکھے بیٹھتی چلی گئی تھیں۔ مجھے ابو کی بیماری والا سارا منظر یاد آگیا۔ میں نے روٹی توے پر چھوڑی اور دوڑ کر ان کے پاس آئی۔

"کیا ہوا امی؟" میں نے کاغذ ان کے ہاتھ سے لے لیا۔ پڑھا۔ اور مجھے رتی بھر دکھ نہیں ہوا۔

"چلیں امی! اللہ کو یہی منظور تھا۔ آپ اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ وہ بہتر کرے گا۔"

میں نے ان کو دلاسا دیا۔ وہ مسلسل روئے جا رہی تھیں۔

میرے دل میں اک سکوت تھا۔ ایسا ہی سکوت جیسا اس نکاح نامے پر دستخط کرتے وقت تھا۔ اب وہ تعلق ٹوٹا تو بھی کیفیت وہی تھی۔ فکر تھی تو یہی کہ امی کو کیسے سنبھالوں۔

"امی! آئیں اندر چلیں۔ اچھا ہے لالچی لوگوں سے جان چھوٹی۔"

امی نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ "مشعال! بیٹا تمہیں دکھ نہیں ہوا؟"

"نہیں۔" میں امی کو کمرے میں بٹھا کر واپس آئی

توے پر پڑی روٹی جل چکی تھی۔

مجھے ابو کا وہ مان بھرا لہجہ یاد آگیا۔ "وہ میرے دوست کا بیٹا ہے۔ مجھے اپنی دوستی پر بھروسہ ہے۔ وہ کبھی میرا مان نہیں توڑے گا۔"

تب میں نے سوچا تھا۔ بھروسا تو اپنوں پر بھی تھا۔ مگر مان تو اپنوں نے بھی توڑ دیا۔ آگے نجانے مقدر میں کیا لکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

میں آج بہت خوش تھا۔ تھوڑی دیر پہلے ہی میرا اور مشعل کا نکاح ہوا ہے۔

سر اسد کے وہ الفاظ بار بار میری سماعت میں گونجتے ہیں "وہ اگر تمہارے نصیب میں ہے تو تم سے کوئی نہیں چھین سکتا۔"

وہ واقعی میرا نصیب تھی۔ اس لیے کسی اور کی نہ ہو سکی۔ یہ سب اتنا غیر متوقع تھا کہ مجھے خود بھی اپنی خوش نصیبی پر یقین نہیں آرہا تھا۔

محبوب چچا کی اچانک وفات نے ہم سب کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

ابا بار بار کہتے "کاش میں پہلے ہی مشعل کو مانگ لیتا تو یہ نوبت نہ آتی۔"

میں اس کے گھر محبوب چچا کے جنازے کے دن گیا تھا پھر نہیں گیا۔ عظمیٰ سے اس کا حال احوال ملتا رہتا۔ اس دن اماں نے مجھے اس کے گھر چھوڑنے کو کہا۔ چچی عدت میں بیٹھی تھیں۔ اس لیے تیسرے چوتھے دن ان کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ میں انہیں ڈراپ کرکے واپس لوٹ آیا اور رات کو جب انہیں لینے گیا تو گاڑی میں ہی انہوں نے مجھے اس کی طلاق کی خبر سنائی اور ساتھ میں یہ خوشخبری کہ

"میں تمہاری بات ان کے کان میں ڈال آئی ہوں۔ اب جیسا تم کہو بیٹا۔"

"ٹھیک کیا اماں! اب چچی کی عدت گزرنے دیں پھر فوری نکاح کی تقریب رکھیں گے۔" میں نے اماں کو مطمئن کر دیا تھا مگر مجھے یقین نہیں آرہا تھا۔ کہ وہ مجھے مل سکتی ہے' میرے دل کی دھڑکن میرے قابو میں نہیں رہی تھی۔ ڈرائیونگ کرتے ہوئے مجھے لگ رہا تھا کہ میرا دل اچھل کر باہر نکل آئے گا۔ مجھے پتہ تھا کہ وہ خرم سے بے تحاشا محبت کرتی تھی۔

کسی مرد کے لیے یہ دنیا کا دشوار ترین کام ہے کہ وہ جان بوجھ کر ایسی عورت سے شادی کرے جو پہلے ہی کسی اور کی محبت میں گرفتار ہو مگر محبت کرنے والے مرد کے لیے نہیں۔

اور ویسے بھی عورت کی فطرت کو جتنا میں سمجھ پایا ہوں کہ وہ کبھی بھی محبت کو ٹھکراتی نہیں' مجھے اپنی محبت پر یقین ہے کہ میری محبت اسے خرم کی محبت بھلا دے گی۔

چچی کی عدت ختم ہونے کے کچھ عرصے بعد ہم نے نکاح کی تیاریاں شروع کیں۔ مجھے پتا تھا کہ مشعل شادی کے لیے راضی نہیں تھی۔ وہ جاب کرنا چاہتی تھی لیکن چچی اس کے لیے تیار نہیں تھیں۔ وہ جلد سے جلد اس کی شادی کرنا چاہتی تھیں' اس لیے مشعل نے سر جھکا دیا۔

اور آج نکاح کے بعد وہ میری ہو گئی۔ میں نے گھر آکر اپنے کمرے میں نوافل پڑھے تھے۔ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو مجھ پر بے تحاشا رقت طاری ہو گئی۔

اس نے مجھے نواز دیا تھا' میں اس کا جتنا شکر ادا کرتا کم تھا۔

سو اب نوافل پڑھ کر یہ خوشی تم سے شیئر کر رہا ہوں۔ کہیں تم مجھے بے اعتنائی کے طعنے نہ دینے بیٹھ جاؤ۔ اچھا اب عظمیٰ آکر مجھ پر اچھا خاصا بگڑ گئی ہے کہ باہر رسموں میں میری ضرورت ہے۔ سو میں اب جا رہا ہوں' تم سے پھر باتیں ہوں گی۔ اگر فرصت ملی تو۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔۔

☼ ☼ ☼

اس دن چاچی کے جانے کے بعد میں نے امی کو بے حد خوش دیکھا تھا۔ میں نے وجہ نہیں پوچھی۔ پتہ تھا کہ وہ خود ہی بتا دیں گی۔ رات کو میں ان کے قریب سونے کے لیے لیٹی تو انہوں نے وہ وجہ بتا ہی دی۔

"نہیں امی! اب نہیں' میری زندگی کا یہ باب بند ہی کر دیں تو بہتر ہے۔"

وہ اس وقت میرے انکار پر خاموش ہو گئیں مگر پھر ہر گزرتے دن کے ساتھ ان کا اصرار بڑھتا گیا اور میرا انکار۔ بالآخر یہ بات ان لوگوں تک بھی پہنچ ہی گئی۔ وہ آتے تو میں خاموشی سے منظر سے ہٹ جاتی۔ اپنے کمرے میں بند ہو جاتی یا چھت پہ چلی جاتی۔

اس دن بھی وہ آئے تو میں ان کو چائے دے کر چھت پر چلی آئی۔ مغرب کی اذان ہوئی تو میں نماز پڑھنے اپنے کمرے میں آئی۔ عظمیٰ وہاں پہلے سے بیٹھی ہوئی تھی۔

"ارے تم یہاں بیٹھی ہو عظمیٰ!"

"جی آپی! آپ کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ کچھ دینا تھا آپ کو۔" اس نے ایک بلیک ڈائری میری طرف بڑھائی۔

"یہ کیا ہے؟"

"آپ پڑھ لیجئے گا' آپ کو پتہ چل جائے گا۔ ہاں ایک بات آپ کو بتا دوں۔ واسع بھائی آپ سے تب سے محبت کرتے ہیں' جب آپ خرم بھائی سے منسوب بھی نہیں ہوئی تھیں۔"

مجھے اس کی بات سے شدید جھٹکا لگا تھا۔ اس سے بھی زیادہ جب اس رات واسع وحید نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا تھا۔

"بعض لوگوں کے لیے صرف محبت ہی بہتر چناؤ ہوتی ہے۔"

"ساری رات میں جاگ کر وہ ڈائری پڑھتی رہی اور حیرت زدہ ہوتی رہی۔ مجھے یاد آیا تھا کہ واسع وحید واقعی پہلے بہت آتا تھا ہمارے گھر۔ دو تین بار اس کی نظروں کی تپش نے مجھے ڈسٹرب بھی کیا تھا مگر اس نے کبھی بھی اوچھا پن نہیں دکھایا تھا۔ اور خرم سے رشتہ طے ہونے کے بعد اس نے آنا چھوڑ دیا تھا۔

مجھے واسع وحید کی پاکیزہ محبت کا یکدم احساس ہوا۔ میں جو قطعی انکار کر بیٹھی تھی' اب سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ میرا انکار صحیح ہے یا غلط۔

میری منگنی ٹوٹ چکی تھی' دوسری بار نکاح کے بعد طلاق مل چکی تھی۔ میں کوئی اتنی خوبصورت بھی نہیں تھی۔

دوسری طرف وہ ایک ذہین اور کامیاب انسان تھا۔ صورت بھی بری نہیں تھی۔ جیسی لڑکی چاہتا اسے مل جاتی پھر میرا انتخاب ہی کیوں' سوائے ایک بات کے کہ واقعی وہ مجھ سے محبت کرتا تھا۔

اور پھر میں سب کی خواہش کے احترام میں واسع وحید کی ہو گئی۔

اس نے منہ دکھائی میں اپنی ڈائریاں میری گود میں رکھی تھیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی چند آنسو میری آنکھوں سے گرے تھے۔

"تمہارے رخسار پہ یہ آنسو اچھے نہیں لگتے مشعل! تمہارے ہونٹوں پر تبسم دیکھنا میری اولین خواہش ہے۔" اس نے اپنی انگلیوں کے پوروں پر میرے آنسو بڑی احتیاط سے اٹھائے۔

"تم ازل سے میرا نصیب تھیں' مجھے ہی ملنا تھیں۔ درمیان میں جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ۔"

امی اور روحی کو بھی چچا اپنے گھر لے آئے تھے اور ہمارا گھر کرائے پر چڑھا دیا۔

شروع شروع میں امی راضی نہیں ہوئیں مگر واسع نے دو ٹوک انداز میں کہا کہ "اب آپ سب لوگ ہماری ذمہ داری ہیں۔ محبوب چچا کے بعد ہمارا فرض بنتا ہے کہ آپ لوگوں کا خیال رکھیں۔"

شادی کی چھٹیاں ختم ہونے کے بعد اس کے آفس جانے کا وہ پہلا دن تھا۔ وہ بڑی سنجیدگی سے تیار ہو رہا تھا مجھ سے رہا نہ گیا تو پوچھ ہی لیا۔

"آپ آج اتنے اداس کیوں ہیں؟"

ٹائی باندھتے ہوئے اس کے ہاتھ ایک لمحے کو تھمے۔

"میں حاصل اور لاحاصل کے درمیان بھٹک رہا ہوں۔"

"مجھے پا کے بھی مطمئن نہیں؟" میں نے انتہائی

اعتماد کے ساتھ اس کی آنکھوں میں جھانکا۔
وہ چند لمحے مجھے دیکھتا رہا۔
میں اس کے لیے پرفیوم اٹھانے کے لیے پلٹی تھی' اس نے ایک دم میرے شانوں پر ہاتھ رکھ کر مجھے بالکل اپنے سامنے کھڑا کیا تھا۔
"محبت کرنے والے ایسے حصول یا ملاپ پہ راضی نہیں ہوتے جس میں دلوں کا رابطہ نہ ہو' روحیں یکجا نہ ہوں اور جب تک کہ محبوب کی محبت نہ ملے۔" وہ میرے چہرے پر نظریں جمائے ٹھہر ٹھہر کے بولا۔
پتہ نہیں کیوں میں نے نظریں جھکالی تھیں۔
اس نے میرے چہرے پر آنے والی لٹ کو انگلیوں سے کان کے پیچھے اڑسا۔
"مجھے اللہ پر یقین ہے اور اپنی محبت پر بھروسہ کہ محبت میرا مقدر ہو گی۔ دیر سے ہی سہی مگر یہ دن آئے گا ضرور۔ میں منتظر ہوں اس دن کا۔"
اس نے میرے شانوں پر ہاتھوں کا ہلکا سا دباؤ ڈالا اور مسکراتے ہوئے باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ اب میری زندگی کا حصہ ہے۔ تخیل سے حقیقت کے سفر میں بہت کچھ بھگتا تھا میں نے۔
میں اسے جانتا تھا' اس کی فیلنگز کو جانتا تھا۔ بعض دفعہ وہ میرے پاس ہو کر بھی نہیں ہوتی۔ مجھے دکھ تو ہوتا تھا مگر پھر اس کو پانے کی خوشی اس دکھ پر حاوی ہو جاتی تھی۔ میں کوشش کرتا تھا کہ جب وہ اس طرح کے احساسات میں گھری ہوئی ہو تو اسے تنہا چھوڑ دوں' خود کو منظر سے ہٹا دوں۔
پھر کچھ دیر بعد اسے خود ہی احساس ہوتا تو وہ آکر میرے پاس بیٹھ جاتی۔ مختلف موضوعات پر بات کرنے لگتی پھر ہم دونوں بولتے چلے جاتے۔ تب بھی کبھی مجھے لگتا۔۔ کہ اب وہ واقعی میری ہے۔

☼ ☼ ☼

اس دن فون کر کے اس نے کھانے پر انتظار سے منع کر دیا تھا۔ اس کی ہیڈ آفس سے آنے والے وفد کے ساتھ میٹنگ تھی۔
میں نے عظمیٰ کے ساتھ مل کر کھانا لگایا۔ اس کی مسلسل چھیڑ خانی چلتی رہتی تھی۔
"پہلی بار بھائی کے بغیر کھانا کھایا آپ نے' کیسا لگا؟"
"نارمل۔" میرے جواب پر اس کا منہ بن گیا۔
مجھے بے ساختہ ہنسی آگئی۔ "بھئی ظاہر ہے کہ ساری عمر تمہارے بھائی کے بغیر ہی کھانا کھایا ہے تو اب نارمل نہیں لگے گا کیا؟"
"ہاں' یہ بات تو ہے۔" وہ ہنس کر نماز پڑھنے چلی گئی تو میں بھی اپنے کمرے میں آگئی۔ نماز پڑھ کر میں بھی سو گئی۔
جب نیند سے بیدار ہوئی تو شام ہو چکی تھی۔ تھوڑی دیر کسلمندی سے پڑی رہی پھر اٹھ کر وارڈ روب سے کپڑے نکالے اور واش روم میں گھس گئی۔ پانی نے میری ساری سستی ختم کر دی تھی۔ نہا کر میں نے بال کھلے ہی چھوڑ دیے تھے۔ واسع ابھی تک نہیں آیا تھا۔
"امی! آپ لوگوں نے چائے پی لی؟" وہ عصر کی نماز پڑھ کر تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ سر کے اشارے سے اثبات میں جواب دیا۔
"میں واقعی دیر تک سوتی رہی۔" سوچتے ہوئے میں نے اپنے لیے چائے بنائی اور اوپر آگئی۔ اپنے کمرے کے آگے بنے ٹیرس سے میں لان میں نئے لگائے گئے پودوں کا جائزہ لینے لگی۔ مجھے اپنی سوچوں میں پتہ ہی نہ چلا کہ وہ کب آکر میرے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس کی گاڑی کا ہارن بھی نہیں سنا تھا۔
"کیا سوچا جا رہا ہے دوست؟"
میں چونک پڑی۔ "دوست!"
اس نے جیب میں ہاتھ ڈالے اور بہت گہری سانس لی۔ "دوستی اور محبت میں بھی فرق ہوتا ہے۔" میں نے غور سے واسع وحید کو دیکھا۔
"دوستی بھی دو طرح کی ہوتی ہے۔ باقی صرف منافقت اور مفاد ہوتا ہے۔" وہ مجھے دیکھ کر میرے

سے مسکرایا۔

"کیا آپ واضح کرکے سمجھائیں گے؟"

"ہوں!" اس نے گہری سانس لی۔ "دوستی صرف دو طرح کی یوں ہوتی ہے کہ ایک میں خلوص ہوتا ہے' دوسری میں محبت۔

وہ بازو میرے گرد حمائل کیے تتے کمرے میں لے آیا تھا۔

"کیا خلوص اور محبت' الگ الگ چیز ہیں؟" میں نے حیرت سے استفسار کیا۔

واسع وحید نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔ "خلوص یہ ہے کہ آپ اپنے دوست کا بُرا نہ چاہیں اور اپنا بھی بُرا نہ چاہیں۔ آپ کی نیک خواہشات اس کے ساتھ ہوں۔ آپ اس کے لیے دعاگو ہوں۔ اس کی کامیابیوں سے خوش ہوں۔"

"اور محبت؟"

اس نے ایک دم نظریں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔ مجھے لگا کہ میرا دل ڈوبنے لگا ہے۔

"محبت۔۔۔" اس کے لبوں میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔

"دوستی میں محبت ہو تو آہستہ آہستہ آپ فنا ہونے لگتے ہیں۔ آپ کی خواہشات' اس کی خواہشات میں ضم ہونے لگتی ہیں۔ آپ کے اندر باقی رہتی ہے۔ محبت اور صرف محبت۔"

اس نے آنکھیں موند کر صوفے کی بیک سے ٹیک لگالی۔ اس لیے کہ ہر محب کا محبوب اس کے لیے اعلاو ارفع ہی ہوتا ہے کیونکہ اس کے لیے وہ اپنا من مارتا ہے۔" اس نے محبت سے آنکھیں کھولی تھیں۔

"اور کسی بندے کا بندے کے لیے من مارنا بہت کٹھن ہے۔ کڑی دھوپ کا پیادہ سفر ہے۔"

چند لمحے سکوت کے بعد اس نے پھر کہنا شروع کیا۔ "ایک محبوب۔۔۔ محبوب حقیقی ہوتا ہے۔ وہاں یہ پتہ ہوتا ہے کہ آپ اپنے محبوب کے آگے کچھ بھی نہیں ہیں۔ اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ آپ اپنے سارے اختیارات اس کو دے دیتے ہیں۔ تو اس کے سامنے من مارنا' خود کو فنا کرنا' اپنے اختیارات کو چھوڑ دینا زیادہ آسان ہوتا ہے۔"

اس نے گھٹنوں پر کہنیاں رکھ کر دونوں ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے رکھے۔ "اپنا آپ اس کو سونپ کر مطمئن ہوجاتے ہیں۔ اس کی مرضی جیسے رکھے۔ آپ اپنی خودی' اپنی ذات' اپنے اختیارات سب ختم کردیتے ہیں۔"

اس نے میرے چہرے سے نظریں ہٹا کر سامنے رکھے پھولوں پر گاڑ دیں۔

"مگر بندے کے سامنے بندے کی خودی ختم ہونا لمحے لمحے کی موت ہے۔ وہ آپ جیسا انسانی خامیوں' کمزوریوں والا بندہ ہے مگر۔۔۔ چونکہ محبوب ہے' سو آپ اس کو اعلا مسند پر بٹھا دیتے ہیں۔"

اور میں چھلک پڑی۔ میرا رواں رواں واسع وحید کے سامنے گریہ کناں تھا۔

وہ ایک دم اٹھ کر میرے قریب آیا تھا۔ میں نے خاموشی سے سر اس کے شانے پر رکھ دیا۔ اس وقت مجھے اپنے احساسات کا اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ میں خرم منیر کی بے وفائی پر رو رہی تھی یا واسع وحید کی بے انتہا محبت پر۔

"مت روؤ مشعال محبوب! مت روؤ۔ محبت نفی ذات کے سوا کچھ بھی نہیں۔"

میں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس نے بہت گہری سانس لے کر اداسی سے مسکرا کر مجھے بٹھایا اور خود میرے ساتھ بیٹھ گیا۔

میں نے آنسو پونچھتے ہوئے گہری سانس لی تھی۔

"لوگوں کو کیا پتہ گہری سانس بھی یاد ہوتی ہے۔"

"اور اگر محبوب سامنے ہو تو؟" میرا سوال بے ساختہ تھا۔

"تو محبت ہوتی ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے ہلکے سے اپنے سر کو میرے ماتھے سے ٹکرایا۔

میرا دل اثبات میں دھڑکا اور میں ساری کی ساری اس ایک جملے میں بھیگ گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

مجھے تقدیر سمجھ میں آگئی تھی اور محبت بھی۔ شاید محبت ہی کی وجہ سے تقدیر کو سمجھ سکی تھی کیونکہ محبت بھی گنہگار بس ہے۔

میرا نصیب واسع وحید کے ساتھ جڑا ہوا تھا' سو میرے نہ چاہنے کے باوجود مجھے وہ ملا۔ تب میں بہت روئی تھی۔ یہ میری مرضی نہیں تھی۔ میرے رب کی مرضی تھی۔ سو میں نے صبر کرلیا اور اپنے تئیں سمجھا کہ میں نے بندگی کا حق ادا کردیا ہے۔ بعد میں پتہ چلا کہ اس کی مرضی پر صبر کے سوا تو کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ سو بندگی کا حق تو تب ادا ہوگا' جب صبر کے ساتھ اس کا شکر بھی ادا کروں گی۔

اور خرم منیر۔ شاید۔۔۔ شاید میرے نصیب کی سیاہی تھا اور اندھی محبت کی نشانی۔ واسع وحید دوسروں کو سہارا دینے والا اور خرم منیر دوسروں کے سہارے زندگی گزارنے والا۔

تقدیر نے میرے لیے بہترین چناؤ کیا تھا اور میں اس چناؤ پر اب خوش بھی تھی اور شاکر بھی۔

کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم خود کو اس کے حوالے کردیں اور پھر دکھ سکھ پر صابر رہیں کہ جو بھی کرتا ہے' اللہ کرتا ہے اور وہ یقیناً "بہتر ہی کرتا ہے۔

✡ ✡ ✡

اس وقت میں آفس سے میٹنگ اٹینڈ کرکے نکلا تھا جب عظمٰی نے میرے سیل فون پر رنگ کرکے مجھ سے کہا کہ۔

"بھائی! اسپتال آجائیں۔"

میں اس سے پوچھتا ہی رہ گیا۔ "سب خیریت ہے نا" مگر اس نے کچھ بھی نہیں بتایا' ہنس کر کہا۔

"سب خیریت ہے۔ بس آپ جلدی آجائیں۔"

میں نے مشعال کے موبائل پر کال کیا مگر کال ریسیو نہیں ہورہی تھی۔

میں بیس منٹ کے بعد اسپتال میں تھا جیسے ہی کمرے کے اندر داخل ہوا' عظمٰی دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی۔

"مبارک ہو بھائی! میں پھپھو بن گئی۔"

میں بے ساختہ مسکرادیا۔

چچی اور امی نے میری پیشانی چومی تھی۔

میں ہنس کر بیڈ کی پائنتی پر آکر بیٹھ گیا۔

"میرے بیٹے کی اماں! مبارک ہو۔" میں نے غور سے اس کی آنکھوں میں جھانکا' وہ بڑی آسودگی سے مسکرائی تھی۔

"میرے بیٹے کے ابا! آپ کو بھی مبارک ہو۔"

میں کھلکھلا کر ہنسا۔

اس نے ننھے وجود کو میری طرف بڑھایا۔ میں نے ہاتھوں میں لے کر اس گول مٹول سرخ و سفید وجود کے ماتھے پر اپنے لب رکھے۔

"بیٹ۔۔۔ یہ آپ کے وجود کا حصہ ہے اور مجھے اس سے محبت ہے۔"

وہ پہلی بار میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر محبت سے بولی تھی۔

اور اس لمحے مجھے یقین ہوگیا کہ میں۔۔۔ واسع وحید آج اسے پاگیا ہوں۔

میرے اندر طمانیت کا بہت گہرا انوکھا احساس پھیلتا چلا گیا۔

محبت واقعی جیت جاتی ہے۔ اگر سچی اور بے لوث ہو تو۔